علم میراث

از

اعلیٰحضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

پیشکش : الرضا پبلیکیشن ۳۷ رمیمن واڑہ روڈ، ممبئی ۳

شائع کردہ رضا اکیڈمی ۵۲ رڈونٹاڈ اسٹریٹ، کھڑک ممبئی ۹

Scanned with OKEN Scanner

نصف العلم (علم میراث) کے چند معرکۃ الآرا

مسائل میں راہِ سلامتی کی روشنی

تجلیۃ السلم فی مسائل من نصف العلم

۱۳ ۲۱ ھ

تصنیف

اعلیٰحضرت امام اہلِ سنت مجدد دین وملت

مولانا شاہ احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بفیض حضور مفتی اعظم علامہ حضرت شاہ محمد مصطفےٰ رضا قادری نوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

رضا اکیڈمی

۵۲ رڈونٹاڈ اسٹریٹ، کھڑک، ممبئی ۹

فیکس: ۶۶۶۵۹۲۳۶ فون: ۶۶۳۴۲۱۵۶-۰۲۲

سلسلۂ اشاعت نمبر

سنِ اشاعت ۱۴۱۸ھ

نام کتاب ——— تجلیۃ السلم

مصنف ——— اعلیٰحضرت امام اہلسنت مجدد دین وملت مولانا شاہ احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ناشر ——— رضا اکیڈمی ۲۶، کامبیکر اسٹریٹ بمبئی ۳

سن اشاعت ——— ۱۴۱۸ھ سنہ ۱۹۹۸ء

طباعت ——— رضا آفسٹ بمبئی ۳

عرضِ سخن

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل قریباً پچاس علوم و فنون طولیٰ عطا فرمایا تھا، ان کی بصیرتِ ایمانی کا یہ کرشمہ تھا کہ انہوں نے تقریر کی بجائے تحریر پر زور دیا اور ایک ہزار کے قریب تصانیف کا یادگار چھوڑا۔ آج ان کے وصال کو ساٹھ سال ہونے والے ہیں، لیکن ہماری کم مائیگی اور بے حسی کا یہ عالم ہے کہ ہم انہیں آج تک نئے علم میں صحیح طور پر متعارف نہ کرا سکے اور نہ ہی ان کی گراں قدر تصانیف کو زیورِ طباعت سے آشنا کرا سکے ہیں۔

جناب پروفیسر محمد مسعود احمد مدظلہٗ پرنسپل گورنمنٹ سائنس کالج سکھر، نواب شاہ (سندھ) حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہٗ بن مرکزی مجلس رضا لاہور بجا طور پر مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اپنی بساط سے بڑھ کر امام احمد رضا بریلوی کے علوم و معارف کو ندا میں پیش کیا، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ (انڈیا) کے اصحاب عزم و ہمت علماء و فضلاء کی کوششوں سے فتاویٰ رضویہ کی یں (تیسری، چوتھی اور پانچوں) شائع ہو چکی ہیں اور چھٹی جلد کے لیے کوشش کی جا رہی ہے۔ اسی طرح شامی پر اعلیٰ حضرت کے حاشیہ جد الممتار عت کے لیے کوشش کی جا رہی ہے۔ پاکستان کے کئی ادارے بھی آپ کی تصانیف شائع کرنے کا شرف حاصل کر رہے ہیں۔

تاہم جس رفتار سے کام ہو رہا ہے، اسے تسلی بخش قرار نہیں دیا جا سکتا، کئی مخطوطات پہلے ہی دیمک کی نذر ہو چکے ہیں۔ اگر اسی انداز ہوتا رہا، تو خطرہ ہے کہ ان قیمتی مخطوطات کا بڑا حصہ ضائع ہو جائے گا اور علم و تحقیق کے طلب گار اس سے محروم ہو جائیں گے۔

یہ امر باعثِ مسرت ہے کہ بریلی شریف میں حضرت مفتیٔ اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں بریلوی مدظلہٗ العالی کی سرپرستی میں ادارۂ اشاعت ات رضا قائم ہو چکا ہے اور قوی امید ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی تصانیف کی اشاعت کا بہت جلد انتظام شروع ئے گا، لیکن یہ کام ایسا نہیں ہے کہ کوئی ایک ادارہ اسے پایۂ تکمیل تک پہنچا سکے، اس لیے پہلی فرصت میں بریلی شریف میں یہ اہتمام ہونا ئے کہ جو احباب مخطوطات حاصل کرنا چاہیں، انہیں ان کے خرچ پر مخطوطات کی فوٹو سٹیٹ کاپیاں فراہم کر دی جائیں، پھر انہیں جدید ں مرتب کر کے اشاعت کا اہتمام کیا جائے، اس سے ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی غیر مطبوعہ تصانیف ایک سے لہ محفوظ ہو جائیں گی۔ دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ اشاعت کا کام بہتر انداز میں تیزی سے آگے بڑھ سکے گا۔

حضرت مولانا منان رضا خاں زید مجدہٗ نبیرۂ حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کے ممنون ہیں کہ انہوں نے حضرت مولانا محمد عبد القیوم ہزاروی قادری دام مجدہٗ ناظمِ اعلیٰ تنظیم المدارس (اہل سنت) پاکستان کی فرمائش پر پیش نظر رسالہ مبارکہ تَجْلِیَۃُ الْمُتَسَلِّمِ فِی مَسَائِلَ مِنْ نِصْفِ الْعِلْمِ کی فوٹو کاپی عنایت فرمائی۔ عزیز محترم مولانا ضیاء المصطفیٰ قصوری سلمہٗ ربہٗ متعلم دار العلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ ضلع سرگودھا دونوں بریلی شریف حاضر ہوئے اور حضور مفتیٔ اعظم ہند دام ظلہٗ العالی کے دستِ حق پرست پر بیعت سے سرفراز ہوئے اور واپسی پر یہ یٹ لائے۔ اس طرح یہ رسالہ مبارکہ پہلی مرتبہ چھپ کر قدر دان ہاتھوں تک پہنچ رہا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ حضرت مولانا منان رضا زید مجدہٗ آئندہ بھی اس سلسلۂ عنایات کو جاری رکھیں گے۔

تَجْلِیَۃُ الْمُتَسَلِّمِ فِی مَسَائِلَ مِنْ نِصْفِ الْعِلْمِ ——— یہ رسالہ مبارکہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ نے ۱۳۲۱ھ میں مرتب ں میں علمِ میراث کے بعض اہم سوالات کے جواب جمع کر دیے گئے ہیں۔ نقل کرنے والے کا نام معلوم نہیں ہو سکا، اس کا سلسلہ وار نمبر ۲۱۲ ہے۔ یہ رسالہ پانچ فصلوں پر مشتمل ہے:

پہلی فصل میں اس سوال کا جواب ہے کہ ایک شخص بیوہ، بہن اور بھتیجا چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوا، زوجہ نے اپنے حصہ کے عوض مکان زوسامان لے لیا جس کے علاوہ اکیس ہزار روپے نقد تھے، وہ کس طرح تقسیم ہوں گے؟

مولانا عبد الحی لکھنوی نے ایسے ہی ایک سوال کے جواب میں لکھا تھا کہ بہن اور بھتیجے کو باقی مال سے نصف نصف ملے گا۔

اسد علی کا ان اشیاء میں اور لطفین بیگم کا زرِ نقد مذکور میں کوئی حصّہ باقی نہ رہا، اب وہ نوٹ فاطمہ بیگم و اسد علی میں کس حساب سے تقسیم ہوں؟ حضرت نے فرمایا تھا کہ چودہ ہزار کے نوٹ فاطمہ بیگم اور سات ہزار کے نوٹ اسد علی کو ملیں، چنانچہ خادم نے اس کے مطابق تقسیم کرا دیے۔

دوسرے روز اسد علی آئے اور کہا کہ میرا حق زیادہ چاہیے، مجھے اس میں ساڑھے تین ہزار روپے کا نقصان ہے اور فتاویٰ مولوی عبدالحی صاحب جلد اوّل، مطبع علوی صفحہ ۱۰-۱۱ پیش کی کہ اس کی رُو سے روپیہ مجھ میں اور فاطمہ بیگم میں نصفا نصف تقسیم ہونا چاہیئے، اس کا خلاصۂ عبارت ملاحظۂ اقدس کے لیے حاضر کرتا ہوں:

چہ می فرمایند علمائے دین اندریں صورت کہ زید انتقال کرد، ورثہ گذاشت یکے ہمشیرہ عینیہ مسمّیٰ را بعہ و سہ برادر زادیاں مسمّیٰ فاطمہ وزینب و کلثوم و یک برادر زادہ حقیقی مسمّیٰ بکر و یک زوجہ مسماۃ خدیجہ کہ جملہ ورثہ مذکورہ صلبی اُورا حصّہ ہشتم دادہ راضی کردہ اند، پس بقیۂ متروکۂ زید چگونہ تقسیم یابد؟

ہوالمصوب بعد تقدیم ما تقدم علی الارث و رفع موانع،
بقیہ ترکۂ زید منقسم بدو سہم شدہ یک سہم ازاں بہ ہمشیرۂ حقیقی و یک سہم بہ برادر زادہ خواہد شد و باقی ورثہ محجوب خواہند شد، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ ابوالحسنات محمد عبدالحی عفا عنہ القوی[1]

جواب کی عبارت پوری عرض کی ہے، یہ صورت بعینہٖ وہی صورتِ واقعہ ہے، حضرت نے اگرچہ حکم زبانی فوراً ارشاد فرمایا تھا، مگر کتاب کا حوالہ مولوی عبدالحی صاحب نے بھی نہیں دیا ہے، لہٰذا امیدوار ہوں کہ اس مسئلے کی مفصل حقیقت نہایت عام فہم ارشاد

[1] مجموعہ فتاویٰ از مولانا محمد عبدالحی لکھنوی، مطبوعہ مطبع یوسفی ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۳ء ج ۲ ص ۱۸۵

ہو. ظلکم ممدود باد۔

بندہ محمد احسان الحق عفی عنہ، ۱۴ محرم شریف ۱۳۲۱ھ

الجواب

مکرمی! اکرمکم اللہ تعالیٰ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

حق وہی ہے جو فقیر نے عرض کیا تھا۔ مولوی عبدالحی صاحب سے سخت لغزش واقع ہوئی ہے۔ اس صورت کو فقہ میں تخارُج کہتے ہیں کہ ورثہ باہم بتراضی صلح کرلیں کہ فلاں وارث اپنے حصہ کے عوض فلاں شے لے کر جُدا ہو جائے، اس کا حاصل یہ نہیں ہو سکتا کہ گویا وہ وارث کہ جُدا ہو گیا سرے سے معدوم تھا کہ بقیہ ترکہ کی تقسیم ایسی[1] ہو جو اس کے عدم کی حالت میں ہوتی، اس نے تو ترکہ سے حصہ پایا ہے، تو معدوم کیونکر قرار پا سکتا ہے؟ کہیں معدوم، وقت موت المورث کو بھی ترکہ پہنچا ہے؟ بلکہ اس کا حاصل یہ ہے کہ ترکہ میں جتنے سہام کل وَرَثہ کے لیے تھے، ان میں سے اس وارث نے اپنے سہام پا لیے۔ اب باقی میں باقی وارثوں کے سہام رہ گئے، تو واجب ہے کہ وہ باقی ان بقیہ کے سہام[2] پر ہی تقسیم ہو، جس قدر انہیں اصل مسئلہ سے پہنچتے تھے۔

یہاں کہ مورث نے ایک زوجہ، ایک بہن، ایک بھتیجا چھوڑا، مسئلہ چار سے ہوا۔ ایک زوجہ، دو بہن، ایک بھتیجے کا، زوجہ ترکہ سے اتنا مال لے کر جدا ہو گئی، تو چار میں سے اس کا ایک ادا ہو گیا، باقی تین رہے جن میں دو بہن کے ہیں اور ایک بھتیجے کا، تو لازم ہے کہ باقی مال یوہیں تقسیم ہو[3]، بہن کو دو، بھتیجے کو ایک، نہ کہ دونوں نصفا نصف کہ اس تقدیر پر بہن کا حصہ نصفِ باقی بعد فرض الزوجہ ہو جائے گا، یعنی زوجہ کا حصہ نکال کر جو بچا، اس کا آدھا، حالانکہ نص قطعی قرآن عظیم سے بہن کا سہم نصف کل متروکہ تھا

---

[1] ایسی × (مخطوط) [2] ہی پر (مخطوطہ) [3] ہوں (مخطوطہ)

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی :

اِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۔

لاجرم یہ سراسر غلط اور تصریح علمائے[1] کرام اور اجماع کے خلاف ہے۔

زیادہ ایضاح چاہیئے بآنکہ مسئلہ خود آفتاب کی طرح واضح ہے تو یوں سمجھیے کہ یہاں تین صورتیں ہیں :

اوّل یہ کہ وہ مال ترکہ جو ایک وارث لے کر جُدا ہوا اس کے اصلِ استحقاق سے کم ہو جیسا یہاں واقع ہوا کہ زوجہ کا حصہ چہارم تھا اور وہ آٹھویں پر راضی ہوگئی۔

دوم[2] اس کے حق سے زیادہ ہو، مثلاً صورت مذکورہ میں مکان وزیور واثاث البیت بارہ ہزار کے ہوتے اور بارہ ہزار کے نوٹ تو زوجہ کو نصف مال پہنچتا۔

سوم[3] اس کے حق کے برابر ہو، مثلاً مکان وغیرہ چھ ہزار کے ہوتے اور اٹھارہ ہزار کے نوٹ۔

صورتِ ثالثہ میں واجب ہے کہ بقیہ ورثہ کو مال اسی حساب سے پہنچے گا جو عدمِ تخارج کی حالت میں پہنچتا، تخارج کا اثر صرف اس قدر ہوگا جو اعیان کی تقسیم کا ہوتا ہے کہ ہر ایک اپنا کامل حصہ بے کم وبیش پاتا ہے، حصے کہ ہر شے میں مشاع[4] تھے فقط جُدا ہو جاتے ہیں۔

صورتِ اولیٰ میں جبکہ باقی جمیع[5] ورثہ کے ساتھ اس وارث نے مصالحہ کیا اور وہ مال جس میں ہر ایک کا حق تھا، تنہا خود لیا اور اپنے حصے سے کم پر راضی ہوا تو جو کچھ اس کے حصے کا رہا۔ واجب ہے کہ ان سب وارثوں کو پہنچے نہ کہ صرف[5] ایک اس زیادت

---

[1] علمائے کرام خلافِ اجماع ہے (مخطوطہ) [2] کے (مخطوطہ) [3] مشترک [4] جمع (مخطوطہ)
[5] صرف ایک صرف اس زیادت (مخطوطہ)

کا مالک ہو جائے، دوسرا محروم کیا جائے کہ یہ محض ظلم و ناانصافی ہوگا اور پہنچنا بھی ضرور ہے کہ حصہ رسد ہو، یعنی ہر ایک کو اس حساب سے بڑھے جو اصل ترکہ میں اس کا حق تھا کہ وہ شے جو وارث مذکور لے کر جدا ہو گیا ہے، اس میں بھی ہر ایک کا حصہ اُسی حساب سے تھا۔

صورتِ ثانیہ میں سب بقیہ ورثاء اس وارث کو زیادہ دینے پر راضی ہوئے، تو واجب ہے کہ وہ زیادت ہر ایک کے حق سے حصہ رسد لے جائے نہ یہ کہ سارا بار ایک وارث پر ڈال دیں، حالانکہ اس میں سب کے حصے تھے اور سب راضی ہوئے تھے

یہ باتیں سب ایسی ہی بدیہی ہیں جنہیں ہر عاقل ادنیٰ نظر سے سمجھ سکتا ہے، فقیر نے جو حکم گزارش کیا، اس میں ہر صورت پر یہ میزانِ عدل اپنی پوری استقامت پر رہے گی۔

صُورتِ اولیٰ میں جبکہ زوجہ کا حق چھ ہزار تھے اور وہ تین ہزار پر راضی ہو گئی تو باقی تین ہزار فاطمہ بیگم و اسد علی کو ان کے حصص کے قدر پہنچنے واجب ہیں۔ فاطمہ بیگم کا حصہ بارہ ہزار اور اسد علی کا چھ ہزار تھا، یعنی فاطمہ بیگم کا اس سے دُونا اور اسی حساب سے زیور و مکان و اثاث البیت میں ان دونوں نے اپنا حصہ زوجہ کے لیے چھوڑا ہے۔ فاطمہ بیگم کے دو حصے اس نے لیے اور اسد علی کا ایک، تو ضرور ہے کہ معاوضہ کے تین ہزار سے بھی فاطمہ بیگم کو دو ہزار ملیں اور اسد علی کو ہزار کہ ان کے اصل حصوں سے مل کر فاطمہ بیگم کے چودہ ہزار اور اسد علی کے سات ہزار ہو جائیں۔

صورتِ ثانیہ میں زوجہ نے چھ ہزار اپنے حق سے زائد پائے، بہن، بھتیجا دونوں اس زیادت پر راضی ہیں، تو ہر ایک کے حصہ سے رسد بہ زیادت نکالنی لازم، بہن کے بارہ ہزار سے چار ہزار نکالیں اور بھتیجے کے چھ ہزار سے دو ہزار، اب بقیہ بارہ ہزار میں بہن کے آٹھ ہزار، بھتیجے کے چار ہزار رہے اور وہی نسبت دو ایک کی آگئی

صورتِ ثالثہ تو خود ایسی ظاہر ہے کہ حاجتِ اظہار نہیں۔ عورت کو چھ[1] ہزار ہی پہنچے جو اس کا حق تھے جو بہن، بھتیجے کسی کے حق میں ایک حبہ کم نہ ہونا چاہیئے، نہ زائد۔

لیکن وہ طریقہ کہ مولوی صاحب نے اختیار کیا اس پر کسی صورت میں ہرگز عدل کا نام و نشان نہ رہے گا۔

پہلی صورت میں عورت کے تین ہزار نکل کر اکیس ہزار فاطمہ بیگم و اسد علی پر نصف نصف سے دونوں کو ساڑھے دس دس ہزار پہنچے اور چار سخت شناعتیں لازم آئیں۔

(۱) تین ہزار کہ حق زوجہ سے چھوٹے تھے دونوں کو ملنے تھے، بہن کو ان سے ایک حبہ نہ پہنچا۔

(۲) اگر نہ پہنچا تھا تو اس کا اپنا حصہ اصلی کہ بارہ ہزار تھے، وہ تو ملتا، ڈیڑھ ہزار اس میں سے بھی کتر گئے، یہ کس قصور کا جرمانہ تھا۔

(۳) بھتیجا تنہا اس زیادت کا مستحق نہ تھا، حالانکہ صرف اس نے پائی۔

(۴) بالفرض اسی کو ملتی، تو عورت نے صرف تین ہزار ہی چھوڑے تھے۔ بھتیجے کے اصل حصے چھ ہزار میں مل کر نو ہزار ہوتے، یہ پندرہ سو اور کس کے گھر سے آگئے۔

دوسری صورت میں عورت کو اس کے حق سے چھ ہزار زیادہ پہنچ کر بقیہ بارہ ہزار بالمناصفہ بٹے اور ایسی ہی شناعتیں پیش آئیں، بہن، بھتیجا دونوں اپنے نقص حصص پر پر راضی ہوتے تھے، مگر پورا نزلہ بہن پر گرا، کامل چھ ہزار اسی کے سہم سے اڑ گئے اور بھتیجے نے اپنا پورا حصہ چھ ہزار پالیا۔ زیور مکان وغیرہ مشاع میں بہن کے بھی دو حصے تھے اور نوٹوں میں عورت کا حق تھا، بہن نے متاع میں اپنا حصہ چھوڑا اور نوٹوں میں معاوضہ ایک حبہ نہ پایا، اس کا حصہ مفت کا تھا۔ الی[2] غیر ذالک مما یخاف ولا یخاف الانصاف۔

---

[1] چھ ہی ہزار (مخطوطہ) [2] اس کے علاوہ جن وجوہ کا خوف ہے، حالانکہ انصاف سے ڈرا نہیں جا

تیسری صورت سب سے روشن تر ہے، کسی وارث نے اپنے حصے سے کچھ نہ چھوڑا۔ عورت کو جو چھ ہزار چاہیئے تھے، بے کم و بیش اسے ہی ملے، اب وہ کونسا جُرم ہے جس کے سبب فاطمہ بیگم کا حق ایک چہارم کا اڑ گیا اور وہ کونسی خدمت ہے جس کے صلہ میں اسد علی نے اپنے حق سے ڈیوڑھا پالیا، اگر نوٹ و متاع کی تبدیلی نہ کرتے، تو فاطمہ بیگم بارہ ہزار پاتی اور اسد علی و لطیفن چھ چھ ہزار، صرف اس تبدیلی نے وہ کایا پلٹ کی کہ لطیفن کے چھ ہزار نکل کر فاطمہ کے بارہ ہزار سے نو ہزار رہ گئے اور اسد علی کے چھ ہزار سے نو ہزار ہو گئے۔

اس واضح، روشن بدیہی بیان کے بعد کسی عبارت کی بھی حاجت نہ تھی، مگر زیادتِ اطمینانِ عوام کے لیے ایسی کتاب کی صریح تصریح حاضر جو علمِ فرائض کی سب سے پہلی تعلیم کافی و وافی و مکمل اور ہر مدرسے کے مبتدی طلبہ میں بھی مشہور و معروف و متداول ہے، یعنی متن امام سراج الدین و شرح علامہ سید شریف قدس سرہما اللطیف فرماتے ہیں:

من صالح علیٰ شیئ معلوم من التركة فاطرح سهامه من التصحيح اے صحح المسألة مع وجود المصالح بين الورثة ثم اطرح سهامه من التصحيح ثم اقسم باقی التركة اے ما بقی منها بعد ما اخذ المصالح علیٰ سهام الباقين من التصحيح كزوج وام وعم فالمسئلة مع وجود الزوج من ستة وهی مستقيمة علی الورثة للزوج ثلثة وللام سهمان وللعم سهم فصالح الزوج نصيبه الذی هو النصف علیٰ ما فی ذمته من المهر وخرج من البين فيقسم باقی التركة وهو ما عدا المهر بين الام والعم اثلاثا بقدر سهامهما من التصحيح وحينئذ سهمان من الباقی للام وسهم للعم

لما كان كذالك فى سهما مما من التصحيح ، فانقلت هلا جعلت الزوج بعد المصالحة واخذه المهر وخروجه من البين بمنزلة المعدوم اى فائدة فى جعله داخلا فى تصحيح المسئلة مع انه لا يأخذ شيئاً وراء ما اخذه قلت فائدته انا لو جعلناه كان لم يكن وجعلنا التركة ما وراء المهر لانقلب فرض الام من ثُلُث اصل المال الى ثلث الباقى اذ حينئذٍ يقسم الباقى بينهما اثلاثا فيكون للام سهم وللعم سهمان وهو خلاف الاجماع اذ حقها ثلث الاصل واذا ادخلنا الزوج فى اصل المسئلة كان للام سهمان من الستة وللعم سهم واحد فيقسم الباقى بينهما على هذا الطريق فتكون مستوفية حقها من الميراث اه والله تعالى اعلم۔

واعلم ان ههنا طريقة أُخرىٰ اخذ بها بعض المشائخ رحمهم الله تعالىٰ ۔ لا تعلق لها عندى بما نحن فيه وان فرض فانما يكون عليها فى الصورة المسئول عنها لفاطمة ثلثة عشر الفا ومائة وخمسة وعشرون ولاسد على سبعة آلاف وثمانمائة وخمسة وسبعون لم نختر لان العمل والفتيا بالراجح لاسيما المذهب وانت تعلم ان هذه ايضا لا توافق ما سلكه المجيب اللكنوى فهو خلاف الاجماع قطعا ، وبالله العصمة والله سبحٰنه وتعالىٰ اعلم۔

فصل دوم

مسئلہ از ریاست رامپور مرسلہ مولوی وحید اللہ صاحب نائب پیشکار کچہری دیوانی[1]

حضرت مطاع محترم مدظلہم العالی ! تحیۂ تسلیم بالوف تکریم

مشکلات کا حل آنحضرت کی ذات مجمع الکمالات کے ساتھ مخصوص ہے، ناچار گزارش کیا جاتا ہے، سراجی وغیرہ تمام کتابہائے فرائض وفقہ (جہاں تک حقیر نے دیکھیں) میں اخوات عینیہ وعلاّتیہ کو بنات اور فقط بنات الابن کے ساتھ میں عصبہ مع الغیر لکھا ہے وان سفلن سے سفلیات کو داخل نہیں کیا ہے، جیسا اور مواقع مثلاً تفصیل اَبْ میں وابنۃ الابن کے بعد وان سفلت کو بھی شامل کرلیا۔ اس سے خیال ہوتا ہے سفلیات کی معیت عصوبت اخوات کی علت نہیں ہے؛ چنانچہ شارح بسیط رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے :

اقتصر علیٰ بنات الابن ولم یقل وان سفلن وکذا فی غیرہ من کتب الفرائض فدل ذالك علیٰ ان السفالة غیر معتبرة فی صیرورتھن عصبة۔ انتہی۔

اس خیال کی تائید کرتا ہے، اطمینان کی غرض سے حضرت سے رجوع کیا جاتا ہے کہ اس کو صحیح خیال کرکے سوالات میں اس پر عمل کیا جائے یا کیا ؟ امید ہے کہ آنحضرت کے عالمتاب آفتابِ فیض سے یہ حقیر ذرّہ بھی بہرہ یاب ہوگا۔ بینوا توجروا۔

الجواب

مولانا المکرم اکرمکم اللہ تعالیٰ ! بعد اہدائے ہدیۂ تحفہ سنیہ مُلتمس، صورت

---

[1] تاریخ نہیں پڑھی

اخوات کے لیے معیت بنت ابن الابن و بنت ابن ابن الابن وان سفلن قطعاً کافی ہے اور شرح بسیط کا بیان صریح لغزش، بنت الابن حقیقۃً لغۃً یا عرفاً شائعاً ضرور بنت ابن الابن وغیرہا جملہ سفلیات کو متناول ہے، تصریح و ان سفلت محض ایضاح وتاکید عموم ہے، نہ ادخال مالم یدخل. تو عدم ذکر ہرگز ذکرِ عدم نہیں ہوسکتا ولہٰذا صدہا جگہ علمائے نے وہاں کہ عموم یقیناً ہے لفظ سفول ذکر نہ فرمایا کنز الدقائق میں ہے:

للاب السدس مع الولد او ولد الابن

اسی میں ہے:

ولد الابن کولدہ عند عدمہ

ملتقی الابحر میں ہے:

ومن النساء سبع الام والجدۃ والبنت و بنت الابن والاخت الخ

اسی میں ہے:

النصف للبنت وبنت الابن عند عدمہا

اسی میں ہے:

السدس للام عند وجود الولد او ولد الابن وللاب مع الولد او ولد الابن و بنت الابن وان تعددت مع الواحدۃ من بنات الصلب

تنویر الابصار میں ہے:

للاب والجد السدس مع ولد او ولد ابن

دُرِّ مختار میں ہے:

والتعصیب مع البنت او بنت الابن

اسی میں ہے :

مَنْ فرضہ النصف خمسۃ البنت وبنت الابن والاخت لابوین والاب والزوج

سراجیہ میں ہے :

بنات الابن کبنات الصلب ولھن احوال ست

شریفیہ میں ہے :

اربع من النسوۃ فرضھن النصف والثلثان الاولی البنت والثانیۃ بنت الابن فان حالھا کحال البنت عند عدمھا۔

بلکہ بعض جگہ صرف ذکر بنت پر اقتصار فرمایا، حالانکہ بناتُ الابن وَاِنْ سَفَلْنَ قطعاً سب اسی حکم میں داخل۔

تنویر میں ہے :

یصیر عصبۃ بغیرہ البنات بالابن وبنات الابن بابن الابن والاخوات باخیھن و مع غیرہ الاخوات مع البنات۔

اسی مسئلہ کا کلیہ ارشاد ہوا ہے :

اجعلوا الاخوات مع البنات عصبۃ

اور پھر یہی نہیں کہ ان حضرات کو ترکِ ذکرِ سفول کا التزام ہو، جس سے ان کی عادت جمل کر کے سفول مفہوم ہو، نہیں بلکہ انہیں کتب میں جابجا سفول مذکور۔

کنز میں ہے :

للام الثُّلُثُ ومع الولد اوولد الابن وان سفل السدس وللزوج النصف و مع الولد اوولد الابن وان سفل

الربع وللزوجة الربع ومع الولد او ولد الابن وان سفل الثمن ۔

ملتقی میں ہے:

اقربہم جزءُ المیت وھو الابن وابنہ وان سفل

اسی میں ہے:

وَتُحْجَبُ الْاِخْوَۃُ بِالْاِبْنِ وَاِبْنِہٖ وَاِنْ سَفَلَ

تنویر میں ہے:

یقدم الاقرب فالاقرب منھم کالابن وابنہ و ان سفل۔

تو ظاہر ہوا کہ علماء کے نزدیک سفول کا ذکر و عدم ذکر یکساں ہے تو اگر کہیں سفلیات کا حکم عالیہ کے خلاف ہوتا، فقط عدم ذکر سفول پر قناعت نہ فرماتے، بلکہ واجب تھا کہ نفی سفلیات بالتصریح بتاتے تاکہ عرف عام شائع سے خلاف مراد پر محمول نہ ہو، تو شرح بسیط کا تمسک صراحۃً بالمخالف ہے اور خود شرع مطہر میں اس کی کہاں نظیر ہے کہ یہاں سفلیاتِ قوی کا حکم عالیات کے خلاف رکھا ہو، بلکہ ہمیشہ جس طرح بنات نہ ہوں، تو بنات الابن ان کی جگہ ہیں اور بنات ابن ابن الابن بنات ابن الابن کی جگہ وَھَلُمَّ جُرًّا۔

ایسا واضح مسئلہ اسی قابل تھا کہ علماء اسے اعتمادِ فہم سامع پر چھوڑ جاتے، مگر جزاھم اللہ عنا احسن جزاء انہوں نے اسے بھی مہمل نہ چھوڑا اور عامہ کتب معتمدہ متداولہ متون و شروح و فتاوی امثل سراجیہ و شریفیہ و تبیین الحقائق و تکملۃ البحر للطوری و درِّ مختار و ملتقی الابحر و مجمع الانہر و خزانۃ المفتین و فتاوی عالمگیریہ و قلائد المنظوم وغیرہا میں صاف صاف بلاخلاف حکم مذکور عصوبتِ اخوات مع بنات

الابن کا سفلیات کو شمول بھی بتا دیا۔

اب ناظر متعجب ہوگا کہ یہ کیونکر؟ ہاں یہ فقیر سے سنیے۔ زید نے دو بنت ابن الابن اور دو اُخت چھوڑ کر انتقال کیا، بنتین ابن الابن کے لیے تو یہاں یقیناً ثُلثین ہے جس میں کسی ادنیٰ طالب علم کو بھی محل ریب نہیں اور اخوات کے پانچ حال ہیں، ایک کو نصف، زائد کو ثلثان، بھائی کے ساتھ للذکر مثل حظ الانثیین، بنات کے ساتھ عصوبت، ابن واب وان سفل و علا کے ساتھ سقوط، پہلی اور تیسری اور پانچویں حالت تو صورت مذکورہ میں بداہۃً نہیں، اب اگر چوتھی نہ مانو، تو دوسری متعین ہوگی اور اختین بھی ثلثین کی مستحق ہوں گی۔

یہ اولاً خود باطل ہے۔ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ کسی مسئلے میں دوبار ثلثین جمع نہیں ہوسکتے، مجمع الانہر میں:

لا یتصور فی مسئلۃ قط اجتماع ثلثین و ثلثین او ثلث وثلث وثلثین۔

ثانیاً اس تقدیر پر اصل مسئلہ تین سے ہوکر بوجہ اجتماع ثلثین چار کی طرف عول کرنا واجب ہوگا، حالانکہ کتب مذہب میں قاطبۃً تصریح ہے کہ تین ان اصول میں ہے جن میں کبھی عول نہیں ہوتا۔

سراجیہ میں ہے:

اعلم ان مجموع المخارج سبعۃ اربعۃ منھا لا تعول وھی اثنان والثلاثۃ والاربعۃ والثمانیۃ۔

شریفیہ و منح الغفار و ردالمحتار وغیرہا میں ہے:

لا تعول اصلا لان الفروض المتعلقۃ بھذہ المخارج الاربعۃ اما ان یفنی المال بھا او یبقی منہ شیئ زائد علیھا۔

یہ بھی تصریح ہے کہ دو ثلثین جمع نہیں ہو سکتے۔

نیز شریفیہ وغیرہ میں ہے:

فلاعول فی الثلثۃ لان الخارج منھا اما ثلث وما بقی کام واخ لاب وام واما ثلثان وما بقی کبنتین واخ لاب وام واما ثلث وثلثان کاختین واختین لاب وام۔

اس حصر نے اور بھی واضح کر دیا کہ اختین کو بنتین ابن الابن کے ثلثین کے ساتھ ثلثین دینا محض باطل ہے۔

شرح الکنز للامام الزیلعی میں ہے:

جملۃ المخارج سبعۃ وانما تعول منھا الستۃ و اثنا عشر واربعۃ وعشرون والاربعۃ الاخری لاتعول

بعینہٖ اسی طرح تکملۂ طوری میں ہے، درِّ مختار میں ہے:

المخارج سبعۃ، اربعۃ لاتعول الاثنان والثلثۃ والاربعۃ والثمانیۃ۔

متن منظوم علامہ ابن عبدالرزاق میں ہے:

وسبعۃ مخارج الاصول　　اربعۃ لیست بذات عول

اثنان والثلثۃ التالیہ　　واربع ومنھا الثمانیہ

تو واجب ہوا کہ صورت مذکورہ میں حالتِ چہارم ہی مانی جائے اور سفلیات کے ساتھ بھی بہن کو عصوبت دی جائے، شرح بسیط میں ایسی تصریحاتِ جلیلہ سے ذہول اور اس نامفید بلکہ مخالف بات سے تمسک عجب ہے ولکن لکل جواد کبوۃ ولکل صارم نبوۃ ولکل عالم ھفوۃ، نسئال اللہ العفو والعافیۃ۔

فقیر نے یہ طریق استدلال اس غرض سے لیا کہ کلمات علمائے کرام سے اخذ مسائل کا انداز معلوم ہو، ورنہ بحمداللہ تعالیٰ خاص اس جزئیہ شمول کی تصریحات فقیر کے پاس موجود ہیں۔

الرحیق المختوم شرح قلائد المنظوم میں ہے:

الاخت ولو متعددۃ مع بنت الصلب واحدۃ ایضا فاکثر وکذا مع بنت الابن وان سفلت کذالک وکذا مع بنت وبنت ابن ذات اعتصاب مع غیر

مختصر الفرائض میں اخوات الاب کے احوال میں ہے:

یصرن عصبۃ مع البنات او[1] بنات الابن وان سفلن ان لم توجد الاخوات لاب[2] ام۔

زبدۃ الفرائض میں ہے:

عصبہ مع غیر با دو[3] زنان اند یکے[4] اخت اعیانی میت کہ با بنت یا بنت الابن او، ہر چند پایاں رود عصبہ می گردد، دوم اخت علاتی میت با ہمیں بنتین مسطورتین عصبہ می شود۔

اسی میں اُخت عینیہ کے احوال میں ہے:

چہارم عصبہ مع البنات الصلبیات ومع بنات الابن ہر چند پایاں روند

اسی میں اخت علاتیہ کے حالات میں ہے:

پنجم عصبہ مع البنات الصلبیات ومع بنات الابن ہر چند پایاں روند وقتے کہ عینی نباشد۔

علامہ ابن نوراللہ النقروی نے حل المشکلات میں خوب طریقہ اختیار فرمایا کہیں

---

[1] مختصر الفرائض میں تھا "الا بنات الابن" اس پر اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے حاشیہ میں فرمایا: "لعل الصواب او بنات الابن بل ھو المتعین کما یظھر فیما مضیٰ وما یاتیٔ" [2] دون (مخطوطہ)

وَاِنْ سَفَلَتْ وَاِنْ نَزَلْنَ نہ کہیں اور ہر جگہ بے کہے مذکور ہو یعنی ابتدا میں اپنی کتاب سے مسئلہ نکالنے کا طریق ارشاد فرمایا کہ جس مسئلے میں فلاں وارث ہو، اسے فلاں باب میں دیکھو، مسائل بنات الابن کے لیے فرمایا:

ان کان فیھا بنت ابن المیت وان سفلت مع غیرھا من اصحاب الفرائض فھی فی الباب الثانی عشر۔

پھر ختم مقدمہ کے بعد فہرس ابواب دی، اس میں بھی فرمایا:

الباب الثانی منھا فی بنت الابن وان سفلت مع غیرھا من اصحاب الفرائض۔

اسی طرح اور ابواب کی نسبت بھی فرمادیا، اب ان بابوں میں جہاں مثلاً بنت الابن ہو خواہی نخواہی بحکم تعلیمات سابقہ بنت الابن وان سفلت مراد ہے، اسی باب دوازدہم میں ہے:

من مات وترک بنت ابن واختا لابوین فالمسئلۃ من اثنین لان فیھا نصفا وما بقی فالنصف لبنت الابن والباقی للاخت بالعصوبۃ۔

غرض حکم مسئلہ واضح ہے، وللہ الحمد واللہ سبحٰنہٗ وتعالیٰ اعلم۔

فصل سوم

مسئلہ از احمد آباد گجرات، محلہ چکلہ کالو متصل پوریل گلیاں، مدرسہ طیبہ
مرسلہ مولوی عبدالرحیم صاحب، ۱۵ رمضان المبارک ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے چچا زاد بھائی کے سوا کوئی وارث شرعی نہیں اور دو بھتیجے چچا زاد بھائی کے ہیں، زید نے اپنی مرض الموت میں بھائی کو ایک سو چالیس روپیہ دے کر اپنے متروکہ سے اس کا حق معاف کرالیا، بھائی نے معاف کر دیا۔ زید نے اس صلح کے بعد چھ سو باسٹھ روپیہ کے پانچ مکان خرید کر بنام مدرسہ عربیہ دینیہ وقف کیے اور جو مال باقی بچا، اس میں یہ وصیت کی کہ اس سے اولاً حج کرایا جائے اور حج سے جو بچے اس کا مکان خرید کر وقف کر دیا جائے۔ بعدہٗ زید نے انتقال کیا، اس صورت میں یہ وقف و وصیت نافذ ہوئے یا نہیں؟ اور صلح جو وارث نے اپنی حیات میں کر لی، شرعاً معتبر ہے یا نہیں؟ اور اگر صلح مذکور معتبر ٹھہرے تو میراث میں بدیں جہت کہ بھائی کا حق بوجہ صلح ساقط ہو گیا۔ اب بھتیجوں کا حق ثابت ہو گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

وارث سے اس کے حصۂ میراث کی بابت جو صلح حیاتِ مورث میں کی جائے۔ تحقیق یہ ہے کہ باطل و بے اثر ہے، اس سے وارث کا حقِ ارث اصلا زائل نہیں ہوتا، ہاں اگر بعد موتِ مورث اس صلح پر رضامند ہی رہیں، تو اب صحیح ہو جائے گی۔

اقول وباللہ التوفیق، تفصیل المقام ان الروایات فی هذه المسئلة توجد علیٰ ثلاثة انحاء۔

الاوّل البطلان وهو واضح البرهان غنى عن البيان فان الارث لاثبوت له فى حياته فكان اعتياضا عن معدوم وهو باطل وهذا هو نص محرر المذهب رضى الله تعالىٰ عنه قال فى جامع الفصولين :

ذكر م فى سك راى محمد رحمه الله تعالىٰ فى السير الكبير الذى هو من كتب الاصول الستة ان المريض لو اعطىٰ من اعيان ماله بعض ورثته ليكون له بحقه من الميراث بطل اه

الثانى الجواز ولا يظهر له وجه قال فيه عقيبه برمز جف لجامع الفتاوىٰ جعل لاحد ابنيه دارا يرضيه علىٰ ان لايكون له بعد موت الاب ميراث قيل جاز وبه افتىٰ بعضهم وقيل لا اه ذكره فى اواخر الفصل ٣٤

وقال فى فرائض الاشباه والنظائر -

قال الشيخ عبد القادر فى الطبقات فى باب الهمزة فى احمد قال الجرجانى فى الخزانة قال ابو العباس الناطفى رأيت بخط بعض مشائخنا رحمهم الله تعالىٰ فى رجل جعل لاحد بنيه دارا بنصيبه علىٰ ان لايكون له بعد موت الاب ميراث جاز وافتىٰ به الفقيه ابو جعفر بن اليمانى احد اصحاب محمد بن شجاع البلخى وحكىٰ ذالك اصحاب احمد بن ابى الحارث وابو عمر والطبرى انتهىٰ اه

وقال فى غمز العيون -

يتامل فى وجه صحة ذالك فانه خفى اه

والثالث الجواز اذا رضی به الوارث بعد ما ورث

قال فی جامع الرموز۔

اعلم ان الناطفی ذکر عن بعض اشیاخه ان المریض اذا عین لواحد من الورثة شیئاً کالدار علی ان لا یکون له فی سائر الترکة حق، یجوز وقیل هذا اذا رضی ذالك الوارث به بعد موته فحینئذٍ یکون تعیین المیّت کتعیین باقی الورثة معه کما فی الجواهر اھ۔

ونقله فی اوائل وصایا رد المحتار[1] وزاد انّه حکی القولین فی جامع الفصولین فقال قیل جاز وبه افتیٰ بعضهم وقیل لا اھ"

ولم یجنح حکایة ما قوّمه فی جامع الفصولین عن السیر الکبیر مع انه کان هو العمدة فی الباب، فان ما ذکرهٗ[2] الجواز و افتاء البعض لو لم یکن مستنده کما علمت الیٰ خط بعض المشائخ مع ما فی الخط من شبهة تنزله عن مرتبة الاشارة فضلاً عن العبارة، فعندی فیما ذکروا لعموی فی الغمز من احکام الکتابة یجوز الاعتماد علیٰ خط المفتی، اخذا من قولهم یجوز الاعتماد علیٰ اشارته فالکتابة اولیٰ اھ نظر فی الاخذ وان قلنا بجواز الاخذ به عند حصول الامن وسکون القلب ولذا اجمعوا علیٰ جواز النقل من الکتب المعتمدة المعروفة المتداولة کما افاده فی الفتح فمع قطع الشرط عن کل ذالك لم یکن له بجنب نص محمد فی ظاهر الروایة قیام علیٰ ساق مع ما فیه من عدم

---

[1] رد المحتار ج ۵، ص ۴۲۰ [2] ما ذکرون (مخطوطه)

اتسامه بقواعد المذهب علی الاطلاق۔

نعم ماذکر فی الجواهر محمل حسن وبه یدنو[1] من التحقیق و یزول القلق ویحصل التوفیق، بید ان الواجب عندی رضی الورثة جمیعا بعد موت المورث لا رضی المصالح وحده فان التخارج مبادلة بینهم فلا بد من رضاهم جمیعا[2] لاسیما اذا کان الذی عین له ازید من حقه وکانه لحظ[3] الی ان التعیین لواحد علی ان لایکون له فی سائر الترکة شیئ انما یکون غالبا باقل من حقه او ما یساویه و لیس فیه ما یقتضی عدم رضی سائر الورثة فاقتصر علی ذکر الشرط رضاه وحده واللہ تعالی اعلم۔

فان قلت لم لا یجوز ان یحمل کلام محرر المذهب محمد رحمہ اللہ تعالی علی بطلان الحق قلت کلا؛ فان الارث جبری لا یسقط باسقاط وکیف یسوغ ابطال ما اثبته اللہ تعالی فی کتابه والتخارج مبادلة لا اسقاط والمبادلة تقرر الحق وتثبته لا تبطله فلو صلح ما فعل المریض لقیل صح ما فعل والحق حصل لا ان بطل هذا ما عندی والعلم بالحق عند ربی۔

یہ نفس مسئلہ، صلح وارث بجہات مورث کی تحقیق تھی جس سے سائل نے علی وجہ الاطلاق سوال کیا۔ رہی یہ صورت خاصہ کہ یہاں واقع ہوئی اسے مسئلہ صلح و تخارج سے علاقہ ہی نہیں، یہاں صلح ایک سو چالیس ۱۴۰ روپے پر ہوئی اور ترکہ میں روپے زائد

---

[1] یدنو من من (مخطوطہ) [2] تبیعا (مخطوطہ) [3] وکانه لحظ الی (صاف نہیں پڑھا گیا۔

تھے اور روپے کے حق سے روپوں پر تخارج قطعاً باطل ہے، اگرچہ بعد موت مورث ہو۔

فی الدر المختار فی اخراجہ عن نقدین وغیرھما باحد النقدین لا یصح الا ان یکون ما اعطیٰ لہ اکثر من حصتہ من ذالک الجنس تحرزاً عن الربا۔

تو یہ تخارج ہوتا تو یقیناً باطل ہوتا، مگر یہاں دوسرا وارث ہے ہی نہیں، نہ کوئی موصیٰ لہ تھا جس سے مبادلہ ٹھہرے، تو یہاں صلح و تخارج و مبادلہ کو دخل ہی نہیں، اس کا حاصل صرف اتنا ہے کہ میراث سے میں نے اتنے روپے لے لیے، باقی ترکہ سے مجھے تعلق نہیں، یہ نہ کوئی عقد شرعی ہے نہ ایک مہمل وعدہ سے زائد کچھ معنی رکھتا ہے۔ تمام ترکہ میں بدستور اس کا حق باقی ہے۔ تصرفات مذکورۂ زید بے اس کی اجازت کے ثلث سے زائد میں نافذ نہیں ہو سکتے، بلکہ ان میں جو وصایا تھیں اُن کی اجازت تو بحالِ حیات موصی مفید ہی نہیں۔ اگرچہ وارث نے اس وقت کہہ دیا ہو کہ میں نے ان وصیتوں کو نافذ کیا، جائز رکھا، نہ اسے ان تصرفات زید کی اجازت معتبرہ ٹھہرا سکتے ہیں جو اس گفتگو کے بعد زید سے واقع ہوئے کہ ان میں جو وصایا تھیں، ان کی اجازت کا تو حیاتِ موصی میں کوئی محل ہی نہیں۔

فی الدر المختار

لا تعتبر اجازتھم حال حیاتہ اصلا بل بعد وفاتہ اھ

فی رد المحتار

ای لانھا قبل ثبوت الحق لھم لان ثبوتہ عند الموت فکان لھم ان یردوہ بعد وفاتہ بخلاف الاجازۃ بعد الموت لانہ بعد ثبوت الحق وتمامہ فی المنح۔[1]

---

[1] رد المحتار ج ۵، ص ۴۱۷

البتہ وہ وقف کہ اس نے اپنی مرض میں فی الحال کر دیا۔ وارث سے حیاتِ مورث ہی میں اس کی اجازت پائی گئی جب بھی نافذ تمام ہوگیا۔

فی رد المحتار من البزازیۃ

تعتبر الاجازۃ بعد الموت لاقبلہ ھذا فی الوصیۃ امّا فی التصرفات المفیدۃ لاحکامھا کالاعتاق وغیرہ اذا صدر فی مرض الموت واجازہ الوارث قبل الموت لاروایۃ فیہ عن اصحابنا قال الامام علاء الدین السمرقندی اعتق المریض عبدہ ورضی بہ الورثۃ قبل الموت لایسعی العبد فی شیئ وقد نصوا علی ان وارث المجروح اذا عفا عن الجارح یصح ولایملک المطالبۃ بعد موت المجروح اھ[1]

اور یہیں سے واضح ہوا کہ صورت کچھ واقع ہوئی ہو بھتیجوں کو اصلا کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اگر وارث یعنی بھائی نے اس وقف کو بحالِ حیاتِ مورث، خواہ بعد وفات مورث اور وصایا کو خاص بعد وفات جائز کیا، جب تو اس ایک سو چالیس روپے کے سوا باقی مال حسب تصرفات مورث وقف و وصیت میں گیا اور اگر نا جائز کیا، تو ثلث وقف و وصیت کے لیے رہا دو ثلث بھائی کا حق ہوا، بھتیجے کسی مال میں کچھ حصہ نہیں پا سکتے وہذا ظاہر جدا واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

---

[1] رد المحتار ج ۵، ص ۴۷۷

فصل چہارم

مسئلہ از لشکر گوالیار ڈاک دربار، مرسلہ مولوی نورالدین احمد صاحب ۲۶ شوال ۱۴ھ

مخدوم ومطاع نیازمنداں دام مجدکم، پس از اظہارِ نیاز، گزارش کہ ان دنوں بوجہ ضرورت ملازمانِ ریاست وامداد وکلاء ایک رسالہ ترتیب دیا گیا ہے جس میں فرائض، وصیت، ہبہ، وقف، نکاح، مہر، طلاق وغیرہ کا بیان ہے اور وہ رسالہ چھپانا ہے۔ ایک شبہ پیدا ہوا ہے کہ آیا سوائے ام حقیقی دیگر زوجاتِ اب اور سوائے جدہ حقیقی دیگر زوجاتِ جد میراث پاتی ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں پاتیں، تو درِ مختار اور فرائض شریفی وغیرہ میں جدہ کے آگے فصاعدًا اور اواکثر سے کیا مراد ہے اور تصحیح کی مثالوں میں دو تین ام اور ۳-۴-۶ یہاں تک کہ پندرہ جدات کس بنا پر درج ہیں؟ بالتفصیل اس کا جواب مطلوب ہے، بمجرد ملاحظہ نیازنامہ مرحمت ہو، نورالدین احمد عفا عنہ،

الجواب

مولانا المکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

آدمی کی اُم وجدہ وہی ہیں جن کے بطن کی طرف یہ منتسب ہو، وہ اس کی اصل، یہ ان کی فرع ہو، باقی زوجاتِ اب وجد، ام وجدہ نہیں، نہ ان کے لیے میراث سے کوئی حصہ تصحیح کی مثالوں میں دو تین ام عامہ کتب میں ایک دوسری کی طرف مضاف مراد ہیں کہ دوسرے تیسرے درجے کی جدۃ امیہ ہوتیں یعنی اُمِّ ام نانی یا ام ام ام نانی کی ماں نہ یہ کہ میت کی اپنی دو تین ماں،

ہاں علمائے کرام نے تعدد ام واب کی صورت بحالتِ تنازع قائم فرمائی مثلاً چند عورتیں ایک بچے کی نسبت مدعی ہوں، ہر ایک کہے یہ میرا بیٹا ہے، میرے بطن سے پیدا ہوا ہے اور اس کا حال معلوم نہ ہو اور وہ سب مدعیات اپنے اپنے دعووں پر شہادتِ شرعیہ قائم کردیں، کسی کو دوسری پر ترجیح نہ ہو تو قاضی مجبورًا ان سب کی طرف اسے منتسب کرائے گا

اور جب وہ مرے اور یہ عورتیں باقی رہیں، تو بحکم تنازع وعدم ترجیح سب، ایک سدس یا ثلث میں کہ سہم مادر ہے شریک ہوجائیں گی اسی طرح ایک شخص کے چند پدر اور ان کے تعدد کی ایک صورت ولد جاریۂ مشترکہ بھی ہے، جبکہ سب شرکاء دعویٰ کریں۔

غمز العیون کتاب الاقرار میں ہے:

لا یستحیل شرعا ان یکون للواحد ابوان او ثلثۃ الی خمسۃ کما فی الجاریۃ المشترکۃ اذا ادعاہ الشرکاء بل قد یثبت نسب الواحد الحرا لافعل من الطرفین کما فی اللقیط اذا ادعاہ رجلان حران کل واحد منہما من امرأۃ حرۃ کما فی التتارخانیۃ۔

خانیہ کتاب الدعویٰ فی ما یتعلق بالنکاح میں ہے:

جاریۃ بین رجلین او ثلثۃ او اکثر ولدت ولدا فادعوہ جمیعًا یثبت النسب من الکل فی قول ابی حنیفۃ وزفر والحسن بن زیاد رحمہم اللہ تعالیٰ وعن ابی حنیفۃ یثبت من الخمسۃ لا من الزیادۃ الخ

اقول انا وان التحدید المذکور فی الغمز مبتنٍ علیٰ روایۃ نادرۃ والمذہب الاطلاق۔

ہندیہ کتاب الدعویٰ میں محیط امام شمس الائمہ سرخسی سے ہے:

قال ابو حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خارجان اقام کل واحد منہما البینۃ انہ ابنہ ولد علیٰ فراشہ من امرأتہ ہذہ جعل ابن الرجلین والمرأتین الخ

اور جدہ واقعی متعدد ہوتی ہیں کہ آدمی کی جدہ ہر وہ عورت ہے جو اس کی اصل کی اصل ہو اصل دو ہیں اب و ام او ان میں سے ہر ایک کے لیے دو اصلیں ہیں۔

لہ غیر واضح ہے

تو یہ پہلا درجہ اصل الاصل کا ہے جس میں چار اصلیں پائی گئیں دو مرد اور دو عورتیں یہ دونوں عورتیں جدہ ہیں ایک اُمیّہ یعنی ماں کی طرف سے کہ ام الام یعنی نانی ہے اور دوسری ابویہ باپ کی طرف سے کہ ام الاب یعنی دادی ہے۔ یہ دونوں جدہ صحیحہ ہیں، پھر چاروں اصلوں میں ہر ایک کے لیے دو اصلیں ہیں، ——— تو دوسرے درجہ میں آٹھ اصول ہوں گے۔ چار مرد، چار عورتیں، یہ چاروں عورات جدہ ہیں دو امیّہ، ام اب الام، ام ام الام اور دو ابویہ ام اب الاب ام ام الاب[1] ابویہ دونوں صحیحہ ہیں اور امیہ کی پہلی فاسدہ دوسری صحیحہ یوہیں ہر درجہ میں جدات کا عدد دو ہوتا جائے گا۔ تیسرے درجہ میں آٹھ، چوتھے میں سولہ، پانچویں میں بتیس وعلیٰ ہذا القیاس تضاعیف بیوت شطرنج کی طرح، یہاں تک کہ بیسویں درجہ میں دس لاکھ اڑتالیس ہزار پانسو چھہتر جدہ ایک درجہ کی ہوں گی۔ نصفِ امیہ، نصفِ ابویہ اور ان میں صحیحہ کا شمار پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ امیات میں تو کسی درجہ میں ایک سے زائد جدۂ صحیحہ نہ ہوگی کہ جدۂ امیہ وہی صحیحہ ہے جس[2] میں میت کے سلسلہ میں سوا ام کے اُب اصلاً نہ واقع ہو اور ابویات ہر درجہ میں بشمار اس درجہ کے صحیحہ ہوں گی، باقی ساقطہ۔

مثلاً پانچویں درجہ میں پانچ ابویہ ثابتہ ہیں، گیارہ فاسدہ اور دسویں میں دس صحیحہ پانسو دو ساقطہ وعلیٰ ہذا القیاس کہ جدۂ ابویہ میں جب تک جانب نزول صرف لفظ اَب اور جانب صعود صرف لفظ ام ہے جدۂ صحیحہ ہے اور جہاں دو اُمّ[3] کے بیچ میں لفظ اَب آیا، وہیں فاسدہ ہو جائے گی، پس جس قدر درجوں کی جدات صحیحہ لینی ہوں، اتنی ہی بار لفظ اَب برابر برابر لکھا جائے اور اس کے اوپر ام لکھ دیجئے۔ یہ سطر اول ہوئی جس کے شروع میں لفظِ ام، باقی اَب ہے سطرِ دوم میں ام کے قریب جو پہلا اب ہے اسے بھی ام سے بدل دیجئے کہ دو ام ہوں اور باقی اب، اسی طرح سطر سوم[4] میں تین ام

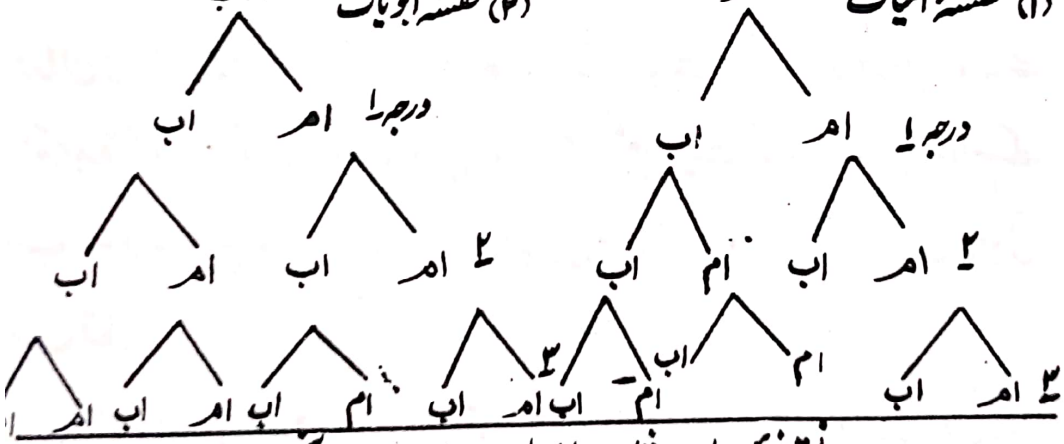
---

[1] میں ۔ (مخطوطہ، خالی جگہ پہلے سوم ۔ (مخطوطہ) [2] ام واب دونوں (صاف نہیں پڑھا جاتا)
[3] عربی رسم الخط میں اس طرح ھ

چار میں چار، یہاں تک کہ اخیر میں ام ہو جائیں، یہ سب جدات صحیحات ہوں گی، یا اخیر کی امیہ اور اوپر کی سب ابویہ اور طریق اس کا اخصر ہونا ظاہر ہے کہ طریقِ اول میں جتنی جدہ بتانی ہوں بقدر ان کے مجذور کے لفظ اب و ام لکھنے ہوں گے اور یہاں ان کے ضعف سے بھی ایک کم، مثلاً سو جدہ دکھانے کے لیے اس طریق میں دس ہزار لفظ درکار ہوں گے اور اس میں صرف ایک سو ننانوے۔

اخصر یہ ہے کہ جتنے درجہ کی جدہ لینی ہوں، اتنی ہی بار زیر و بالا لفظ اب اور اسی قدر ان کے محاذی لفظ ام لکھ کر اخیر میں دونوں کے وسط پر ام لکھ دیجئے، آباء و امہات کو دو خط مستقیم عمودی سے ملا دیجئے اور ام اخیرہ سے اس کے قریب کے ام و اب دونوں اور باقی اوپر کے اب تک خطوط محرفہ کھینچ دیجئے، خط عمودی امہات مع ام اخیرہ جدۂ امیہ کو بتائے گا اور باقی خطوط صحیحہ کو، یہ سب بیانات ان چار نقشوں سے کالعیان ہو جائیں گے، دو نقشۂ اول میں جہاں لفظ ام بخطِ نسخ ہے، وہ جدہ صحیحہ ہے باقی ساقطہ

(۱) نقشۂ امیات

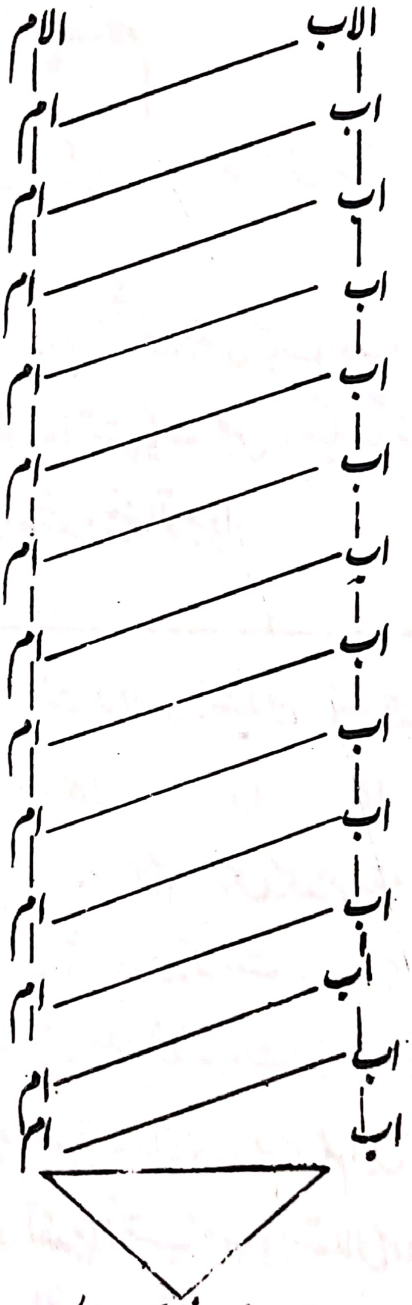


(۲) نقشۂ ابویات

(۳) نقشۂ جدات ثابتہ ابویات و امیہ درجۂ پنجم

۱	ام	اب	اب	اب	اب	اب
۲	ام	ام	اب	اب	اب	اب
۳	ام	ام	ام	اب	اب	اب
۴	ام	ام	ام	ام	اب	اب
۵	ام	ام	ام	ام	ام	اب
۶	ام	ام	ام	ام	ام	ام

(۴) نقشہ پانزدہ جدہ صحیحہ یکے امیہ و چہاردہ ابویہ بطریق اِحصر کہ در درجۂ چہاردہم حاصل می شوند



اس تقریر سے فما عدا اور اد اکثر اور ایک درجہ میں پندرہ جدہ صحیحہ سب کے معنی منکشف ہو گئے اور ظاہر ہوا کہ کچھ پندرہ پر حصر نہیں، جس قدر چاہیں حاصل کر سکتے ہیں، مثلاً پچیس جدہ صحیحہ ہمیں درجۂ بست و چہارم میں ملیں گی، اس درجہ کی کل جدات ایک کروڑ ستر سٹھ لاکھ ستر ہزار دو سو سولہ میں سب ساقط مگر پچیس ایک امیہ اور چوبیس ابویہ، صحیحہ ہیں۔ یہ تمام بیان منیر، فقیر حقیر نے عین وقت تحریر میں اپنے ذہن سے استخراج کیا، پھر دیکھا تو ہندیہ میں اختیار شرح مختار سے طریق اول نقل فرمایا۔ وللہ الحمد واللہ تعالیٰ اعلم

فصلِ پنجم

مسئلہ از کلکتہ ؛ مولوی امداد علی لین نمبر (۱) مرسلہ مولوی عبدالعزیز بنگالی منتہی طالب علم مدرسہ عالیہ کلکتہ

ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ اندریں کہ شخصے بحضور یک زوجہ و سہ بنت و سہ بنت ابن و دو ابن ابن الاخ اموال گذاشتہ پیک اجل را لبیک گفت پس ترکہ اش درمیان ورثۂ مذکورین چگونہ منقسم خواہد شد، بینوا توجروا۔

مسئلہ صہ ۱۴ سنہ ۵۰۴

زوجہ	بنت	بنت	بنت	بنت الابن	بنت الابن	بنت الابن	ابن ابن الاخ
۶۳	۱۱۲	۱۱۲	۱۱۲	۱۵	۱۵	۱۵	۶۰

جنابِ من! حد ادب پس از سلام سنتِ خیرالانام، عرض بخدام برتر مقام می گرایم کہ برصورتِ مرقومہ بالا دریں صوبہ بنگلہ اختلافات شتّی رو دادہ کہ بنت الابن یا ابن ابن الاخ عصبہ تواند شد یا چہ از دلائل رد المحتار و شریفیہ معلوم شد کہ بنات الابن چنانچہ با برادر عینی خود عصبہ شوند ہم براں نسق با بن عم خود ہم عصبہ شوند و ایشاں ہم بنی عم ایں زنان اند، پس مستحق باقی مال زید تواند شد یا نہ؟ بر ہر دو تقدیر از کتب معتبرہ استدلال نمودہ جواب شافیش عنایت فرمودہ رہینِ منّت فرمایند، بفحوائے آیۂ کریمہ وتعاونوا علی البرّ والتقویٰ ۵ ولا تکتموا الحق زیادہ والسلام مع التعظیم والاکرام، عرض پرداز فدوی محمد عبدالعزیز عفی عنہ، ساکن حال کلکتہ۔

۹ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴ھ

الجواب

مکرما السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

درصورت مستفسرہ تصحیح ازیک صدوچہل وچہاراست وبنات الابن محجوبات به بنات وتقسیم چناں۔

مسئلہ ۲۴ تصحیح ۱۴۴

زوجہ	بنت	بنت	بنت ابن ابن الاخ	ابن ابن الاخ	بنت الابن	بنت لابن بنت الابن
۱۸	۳۲	۳۲	۳۲	۱۵	م	م

اگر دلائل بکاراست فاقول وباللہ التوفیق

اوّلاً بنات الابن راعصبہ نتواں کرد، مگر ابن الابن وان سفل، پس چوں بادو یا بیش صلبیات باشند چیزے نیابند مطلقاً مگر درصورتے واحدہ کہ باایشاں یافروتر ازایشاں مردے ازاولاد بہ میت باشد، علامہ ابوعبداللہ محمد بن عبیداللہ غزّی تمرتاشی درتنویر البصار متن الدرالمختار فرمودہ:

واذا استکمل البنات فرضھن سقط بنات الابن الا بتعصیب ابن ابن موازا ونازل[1]

علّامہ ابراہیم حلبی درملتقی الابحر کہ ازمتون معتمدہ فی المذہب است فرماید:

اذا استکمل بنات الصلب الثلثین سقط بنات الابن الا ان یکون بحذائھن او اسفل منھن ابن ابن فیعصب من بحذائہ ومن فوقہ من لیست بذات سہم ولا تسقط من دونہ۔

---

[1] درمختار بحاشیہ ردالمحتار ج ۵ ص ۴۹۶

علامہ محمد بن حسین بن علی طوری در تکملۂ بحر الرائق فرماید :

ان کان للمیّت ابنتان فلا شیئ لبنت الابن الا ان یکون فی درجتها او اسفل منها ابن ابن فتصیر عصبة به۔

پیدا است کہ ابن ابن الاخ، ابن الابن نیست پس از صورت استثنا خارج باشد ثانیاً نص ہمیں در تعصیب بنات بہ ابناء و اخوات بہ اخوۃ آمدہ است و بس، بنات وابنائے ابن و بنات وابنائے میت داخل اند بالاجماع، پس تعصیب بنات بہ بنائے اخ بے دلیل شرعی است۔

علامہ شیخی زادہ رومی در مجمع الانہر فرماید :

ان النص الوارد فی صیرورة الاناث بالذکور عصبة انما هو فی موضعین البنات بالبنین والاخوات بالاخوة

ثالثاً علمائے جائیکہ عصبات بغیرہن را شمارند بنت الابن را بقید تعصیب ابن الابن در ہندیہ از حاوی القدسی آورد۔

عصبة بغیره وهی کل انثیٰ تصیر عصبة بذکر یوازیها وهی اربعة البنت بالابن وبنت الابن بابن الابن والاخت لاب وام باخیها والاخت لاب باخیها۔

در متن تنویر و شرح او در مختار است :

تصیر عصبة بغیره البنات بالابن وبنات الابن بابن الابن وان سفلوا

امام حسین بن محمد سمعانی در خزانۃ المفتین فرماید :

الثانی وهو العصبة بغیره وهو اربع من النساء یصرن

عصبۃ باخوتھن فالبنات یصرن عصبۃ بالابن وبنات
الابن بابن الابن والاخوات لاب وام باخیھن والاخوات
لاب باخیھن۔

رابعاً[1] ابن ابن الابن وان سفل واخ عینی یا علاتی ہیچ ذکر راقوت تعصیب نیست، تا آنکہ ابن الاخ یا عم وابن العم ہم خواہر عینیہ خودش را عصبہ نتواں نمود، علامہ محمد بن علی دمشقی در ہمیں در مختار فرمود:

قال فی الرحیبۃ

ولیس ابن الاخ بالمعصب - من مثلہ او فوقہ فی النسب[2]
بخلاف ابن الابن وان سفل فانہ یعصب من مثلہ او
فوقہ ممن لم تکن ذات سھم ویسقط من دونہ[3]

امام سمعانی در خزانۃ المفتین متصل بعبارت مذکورۃ بالا فرماید:

وباقی[4] العصبات ینفرد بالمیراث ذکورھم دون
اخواتھم وھم اربعۃ ایضا العم وابن[5] العم وابن
الاخ وابن المعتق۔

خامساً[6] اگر مراد بوقوع غلام بمحاذات بنات یا بالا یا فرود وقوع او در ہمیں سلسلۂ نسب است کہ نوعیت انتساب متبدل نگردد کما ہو الحق المبین بالجزم والیقین پس آں گاہ ابناء اخ راخود مساغے نیست کہ ایں جا سخن در جزء میت است واو جزء پدر میت واگر مراد اعم گیرند تا ابن ابن الاخ کہ بمحاذات درجہ بنت الابن است اورا عصبہ کند، واجب باشد کہ ابن الاخ کہ بالاتر از دست بنت الابن راز میراث افگند، اگرچہ[7] آنجا صلبیہ ہیچ نبود کہ سقوط سفلیات بغلام عالی عام ومطلق است از در مختار شنیدی

---

[1] ہکذا فی الاصل والصواب: سوائے ابن وابن الابن الخ [2] العصب (مخطوطہ) [3] در مختار بر حاشیہ رد المحتار ج ۵، ص ۵۰۰ [4] والباقی العصبات ینفردھا المیراث (مخطوطہ) [5] والابن العم (مخطوطہ) [6] اگرچند (مخطوطہ)

"ویسقط من دونه" وخود در مسئلۂ تثنیب کہ لا شیئ للسفلیات گفتہ اند فرض مسئلہ بے صلبیات است فخود پیدا است کہ چوں کار تعصیب کشد اقرب حاجب ابعد بود حالانکہ این معنی مخالف اجماع است، حجب بنات الابن ہمیں بہ ابن ودو صلبیہ نوشتہ اند نہ بابن الاخ وعلامہ نقروی در حل المشکلات کہ خود او تاریخ تالیفش قد حل المشکلات فرمودہ است می انگارد۔

اذا مات رجل وترك ابن اخ وزوجة وبنت ابن
فالمسئلة من ثمانية لان فيها ثمنا ونصفا وما بقي
فالثمن للزوجة والنصف لبنت الابن وما بقي لابن
الاخ الخ

وفيه مسائل اخر من هذا النوع

سادساً اگر ابن الاخ حاجب بود، اخ کہ اقرب از وست اولیٰ باوست وایں ہم باطل است باجماع

وفی حل المشكلات

رجل ترك اخا وبنت ابن فالمسئلة من اثنين لان فيها
نصفا وما بقي فالنصف لبنت الابن وما بقي للاخ۔

سابعاً ایں تعصیب اگر بودے نبودے وشے چوں وجود او مستلزم عدم او باشد محال بود، بیان ملازمہ آنکہ در عصبات اصل مطرد آنست جزء میت مقدم بر جزء پدر است، پس ابن ابن الاخ اگر بنت الابن را عصبہ نمودے بنت الابن او را محجوب فرمودے وچوں محجوب می شد تعصیب کہ می کرد؟

فهذا شيئ لو كان لم يكن وايّ محال ابعد منه

ثامناً تعصیب محاذیہ مختص بوجود دو صلبیہ نیست بلکہ بایک صلبیہ وبے صلبیہ نیز

حکم ہمین است، فی ردالمحتار۔

للبنات ستۃ احوال ثلاثۃ تتحقق فی بنات الصلب وبنات الابن وھی النصف للواحدۃ والثلثان للاکثر واذا کان معھن ذکر عصّبھن[1]

درسراجیہ وشریفیہ فرماید:

العصبۃ بغیرہ اربع من النسوۃ البنت وبنت الابن والاخت لاب وام والاخت لاب یصرن عصبۃ باخوتھن اھ مختصراً

پس برتقدیر تعصیب لازم آید کہ درمسئلۂ زوج وبنت وبنت الابن وابن ابن الاخ مسئلہ از دوازدہ باشد سہ بشود ہرش وشش بدختر وسہ باقی درعصبتین للذکر مثل حظ الانثیین، کما ہو مصرح فی جمیع الکتب فی مسئلۃ تعصیب بنت الابن بغلام معہا او اسفل منہا۔

پس بنت الابن رایک باشد وابن ابن ابن الاخ بلکہ ابن ابن ابن ابن الاخ ہرچہ فروتر رونده را ولکن دریں مسئلہ اگر بجائے او اخ عینی گیرند امر منعکس می شود بنت الابن رادو باشد، برادرِ حقیقی رایک۔

فی حل المشکلات۔

اذا مات امرأۃ وترکت اخا وزوجا وبنت صلب و بنت ابن فالمسئلۃ من اثنی عشر لان فیھا سدسا وربعا ونصبا وما بقی، فالسدس لبنت الابن والربع للزوج والنصف لبنت الصلب وما بقی للاخ۔

---

[1] ردالمحتار ج ۵، ص ۴۹۲

پس استحقاق اخ کمتر ابن ابن ابن ابن خودش اگر بصد درجہ پایاں تر از وست ایں خود شبیہ[1] بمحال است۔

تاسعاً[9] بلکہ لازم آید کہ اخ عینی محروم باشد وایں کہ بصد واسطہ دور تر از وست ارث یابد، مسئلہ زوج وام وبنت وبنت الابن وابن ابن ابن ابن ابن الاخ از دوازدہ شدہ بسی وشش تصحیح پزیرد، نہ[9] بہ شوہر وشش بمادر، ہیجدہ[18] بدختر ودو بابن پسر ویک بدختر پسر، واگر جائے او خود برادر آید مسئلہ بسیزدہ[13] عول کند وبرادر عینی تہی دست رود، اذ لا شیئ لعصبة مع العول۔

اگر زاعمے زعم فرماید کہ اخ نیز تعصیب بنت الابن نماید، خود نصوص صریحہ اسقاط اعلیٰ للسفلیٰ را خلاف کردہ باشد۔

عاشراً[10] اگر ازیں ہمہ قطع نظر را کار فرمائیم تا بر تقدیر تعمیم غلام ابن ابناء اعمام دلیلے کہ بر مسئلہ آوردہ اند زنہار منطبق نیاید وسخن بہ تناقض وتہافت گراید، کلام سید قدس سرہ شنیدن دارد کہ می فرماید:

ان بنات الابن اذا کان بحذائهن غلام سواء کان اخاهن او ابن عمهن فانه یعصبهن کما ان الابن الصلبی یعصب البنات الصلبیة وذالك لان الذکر من اولاد الابن یعصب الاناث اللاتی فی درجته اذا لم یکن للمیت ولد صلبی بالاتفاق فی استحقاق جمیع المال فکذا یعصبها فی استحقاق الباقی من الثلثین مع الصلبیتین والیه ذهب عامة الصحابة وعلیه جمهور العلماء وقال ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه، لا

---

[1] تنبیہ (مخطوطہ)

یعصبهن بل الباقی کله لابن الابن ولا شیئ لبنات ابن اذ
شئ انما تصیر عصبة بالذکر اذا کانت ذات فرض
عند الانفراد عنه کالبنات والاخوات واما اذا لم تکن
کذالك فلا تصیر به عصبة کبنات الاخوة والاعمام
مع بنیهم واجیب بان بنت الابن صاحبة فرض عند
الانفراد عن ابن الابن لکنها محجوبة بالصلبیتین
ههنا الاتری انها تاخذ النصف عند عدم الصلبیات
بخلاف بنات الاخ والعم اذ لا فرض لها عند انفرادهما
عن ابنهما فلا تصیر عصبة به۔

ایں کلام سرتا پا شاہد عدل است کہ مراد بہ غلام ہماں ذکرے از اولاد ابن است کلام درہماں است ودلیل ہم براں وخلاف ابن مسعود ہم دراں ورنہ ہیچ کس قائل نیست کہ ابن ابن لاخ حاجب بنات ابن است وہم در نفس سخن تصریح است کہ ابن عم مر بنت عم خودش را تعصیب نتواں کرد، لاجرم مراد بہ تعمیم سواء کان اخا هن او ابن عمهن ہمیں قدر است کہ خواہ آں پسر پسر ہموں پسر باشد کہ ایں دختر دختر او است یا پسر پسر دیگر کہ عم ایں دختر بود نہ از بنی اعمام ایں زناں باشد ومعصب ایناں بود، اگرچہ از سلسلۂ جزئیت میت بیروں بود هذا مما لا یقول به احد۔

بایں تقریر بحمد اللہ احکم مسئلہ نیز نقش بکرسی نشست وہم بوضوح پیوست کہ کلام در مختار وشریفیہ صراحۃً راغم زعم زاعم است نہ آنکہ بوفائش حاکم است، بازار بایں ہمہ متسلی نشوند، تا تصریح صریح از عالم تنقیح بشنوند، علامۂ شامی قدس سرہ السامی

لہ تقدیر (مخطوطہ)

درعقود الدریۃ فرماید:

(سئل) فی امرأۃ ماتت عن بنتین وابن اخ شقیق و عن بنتی ابن وخلفت ترکۃ کیف تقسم (الجواب) للبنتین الثلثان والباقی لابن الاخ الشقیق وابن الاخ لا یعصب اختہ ولا من ھی اعلیٰ منہ او اسفل فضلا عن کونہ یعصب بنتی الابن ؎

ولیس ابن الاخ بالمعصب
من مثلہ او فوقہ فی النسب

نعم ابن الابن یعصب بنت الابن اھ ملخصا[1]

مسئلہ بکمال وضوحش از ایضاح بے نیاز بود، ایں مایہ اطناب چہ شایست، امّا چہ تواں کرد کہ بعد عروض وہم ازالہ اش ناگزیر می بایست۔

ولما بلغنا الی الدلیل الخامس وقفنا علی زلۃ ھھنا صدرت من قلم العلامۃ حامد افندی فاکد ذالک عزمنا علیٰ اکثار الادلۃ لینجلی الحق انجلاء الاھلۃ اذا امیت عنھا[2] کل غیم وعلۃ وبربنا نخص الحمد[3] کلہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ صاحب الملۃ محمد وآلہ وصحبہ الجلۃ آمین۔

واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

---

[1] العقود الدریہ ج ۲ ص ۳۴۷ [2] عینھا (مخطوطہ) [3] الحمد للہ (مخطوطہ)

مسئلہ از کلکتہ تال تلا کمیدان باغ نمبر ۱۴ مسجد مانک دفتری

مرسلہ محمد عبد الکریم صاحب ۳ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ

پس از پیشکش قدم بوسی و ناصیہ فرسائی، دست بستہ معروض می دارد کہ از روئے کرم فرمائی و مرحمت گستری دریں مسئلہ مرسلہ بتحقیق خود حکم فرمایند اگر حکم موافق مسطور دست دہد از روئے فیض رسانی بر جملہ جہاں بر قرطاس مرقوم دستخط نمودہ فیض المرام بخشند، مسئلہ این است۔

چہ می فرمایند علمائے دین رحمکم اللہ تعالیٰ اندریں مسئلہ کہ حق ارث بتقادم زمان ساقط شود یا نہ بینوا توجروا

الجواب : حق ارث بتقادم زماں ساقط نمی شود

لما فی الدر المختار،

لو امر السلطان بعدم سماع الدعوی بعد خمس عشرة سنة فسمعها لم ینفذ قلت وبه لا تسمع الآن بعدها الا بامر فی الوقف والارث ووجود عذر شرعی وبه افتی المفتی ابو السعود فلیحفظ۔

وفی رد المحتار

قال السید الحموی فی حاشیة الاشباه ان السلاطین الآن یأمرون قضاتهم فی جمیع ولایاتهم ان لا یسمعوا دعوی بعد مضی خمس عشرة سنة سوی الوقف والارث اھ

ولما فی رد المحتار عن الحامدیة

انه کتب علیٰ ثلثۃ اسئلۃ انه تسمع دعوی الارث ولا
یمنعها طول المدۃ
وفی رد المحتار عن الاشباہ وغیرها
ان الحق لایسقط بتقادم الزمان اھ
ولذا قال فی الاشباہ مضیاً[1]
ویجب علیہ سماعها اھ ای یجب علی السلطان الذی
نہیٰ قضاتہ عن سماع الدعویٰ بعد هذه المدۃ ان
یسمعها بنفسہ او یأمر بسماعها لئلا یضیع حق المدعی
وان کان هذا حیث لم یظهر عن المدعی امارۃ التزویر۔

مخفی مباد کہ روایات فقہیہ کہ در باب عدم سماع دعوی بعد از مرور پانزدہ سال یاسی سال وسی وسہ سال یاسی وشش سال وارد، مخصوص بصورتے است کہ دعوی متضمن بر علامت تزویر یا حیلہ باشد، چنانچہ از عبارت رد المحتار وغیرہ مفہوم می شود وبکذا احکم الکتاب واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الجواب

اللہم ھدایۃ الحق والصواب: ایں جا دو مقام است یکے نفس الامر ابانت حکمش ہمان است کہ ہیچ حق ثابت نامقید بوقتے خاص ارث باشد خواہ غیر او مطلقا اجماعاً زنہار ساقط نشود، چنانکہ در جوہرہ واشباہ وغیرہما منصوص شد وخود در ثبوت او آیات واحادیث وعقیدۃ اجماعیہ مجازات یوم الدین بر مظالم وتبعات بسندہ است، اگر عند اللہ بمرور دہور حق ساقط شدے روز جزا، جریان مجازات ومطالبۂ تبعات ومبادلۂ حسنات ووضع سیات بہ میاں نیامدے کہ بندہ را بر بندۂ حقے

[1] غیر واضح

نماندہ گواز روئے تعدی حدودِ الٰہیہ ظالم مطالب بحقوق الٰہیہ باشد و ہذا باطل اجماعاً، بلکہ عند اللہ ہر چند ظالم بر ظلم متمادی رود ظالم تر شود نہ آنکہ بتمادی ایام ظلم برخیزد و حق بنا حق آمیزد۔ دوم سماع دعویٰ بدار القضاء ایں جانیز نفس مرور زمان فی حد ذاتہ اصلا جمع باثبات منع نیرزد، نہ در ارث نہ در غیر آں کائنا ماکان۔

بلکہ منع از دو جہت خیزد یکے سدِ باب تزویر و قطع اطماع فاسدہ، ایں حکم حکمِ اجتہادیٔ فقہائے کرام و ائمتنا اعلام است و متون و شروح و فتاویٰ مذہب باو ناطق، و ارث و غیر ارث ہمہ در و یکساں و متوافق۔

صورتش آن است کہ زید را دارے است کہ شراءً یا بہبہ یا بہیچ وجہ از وجوہ تملک نزد ارث واوزما نے در و تصرفات مالکانہ می کرد و عمرو عاقل و بالغ ہم دراں شہر ساکن و بر اں تصرفات آگاہ بود و موانعِ ارجاعِ دارے یکسر مفقود، حالانہ در ارث نہ در غیر آں کائنا ماکان بر می خیزد و نزاع می انگیزد و گردن دعوی بر می فرازد کہ ایں خانہ ازاں نیست، زنہار نشنوند گو دعویٰ از جہت ارث باشد، زیرا کہ سکوت تا مدت صالحہ با وصف انعدام موانع و وجود مقتضی اعنی اطلاع بر تصرفاتِ مالکانۂ زید قرینہ و دلالت بر آنکہ دارِ زید است و دعوائے عمرو از راہ کید، لاجرم آں سکوت را در رنگِ اقرار او بملک زید فرا گرفتہ مانع دعویٰ دانند، آں چنانکہ اگر صراحۃً مقر شدے کہ دار ازاں زید است و باز بے توفیق معقول قابل قبول بدعویٰ بر خاستے، تناقض گریبانش گرفتے و دعویٰ پیش نرفتے کذا ہذا۔

و پیدا است کہ دریں باب ادعائے ارث و غیر ارث ہمہ یکسان است، اللّٰہم مگر آنجا کہ زید مقر باشد بآنکہ دار ملک مورثِ عمرو بودہ است و من ازو شراءً یا ہبۃً گرفتہ ام آں گاہ امر دعویٰ باز گونہ گردد، زید مدعی شود و عمرو مدعا علیہ و تصرفات زید تا زمانے مدید سودش نکند کہ دعویٰ را بتینہ باید نہ مجرد تصرف کما لا یخفیٰ علیٰ اہل التعرف۔

لہ غیر واضح ۲ہ وعند التحقیق متقید نیست بہ بیچ مدتے ممدود و عدتے معدود ۱۲ مصنف قدس سرہ

دوم نہی سلطان اسلام است ، آنچہ در ارث وغیر ارث متخالف شود دکار بر تحدید مدت از پیش گاہ سلطنت فرا گیرد بے نظر بصدور تصرف و اطلاع مدعی و عدم موانع وظہور تزویر وغیر ذالک ، سر این کار آن است کہ ولایت قضاۃ مستفاد از جہت سلطان و قضا بزمان و مکان و اشخاص و اشیاء ہر چہ سلطان مولی بآں تخصیص فرماید تخصیص پذیرد ، پس اگر سلطانِ اسلام اعز اللہ نصرہ قضاۃ خود را بعد مدتے معینہ مثلا پانزدہ سال یا ماہ یا فرضا دو سہ روز از سماع دعوی نہی کند قاضیاں بعد آں زماں در حق دعاوی معزول باشند ، سماع نامقبول۔

دریں مسئلہ اختلاف استثنائے وقف وارث و مال یتیم وغائب وغیر ذالک ہمہ یا بعض یا مطلقاً عدم استثناء از ہمیں جہت سلطان ہر زمان آنکہ مطلق داشت علماء مطلق گزاشتند و آنکہ استثناء کرد استثنا فرمودند کہ این جا کار بر زبان شہریار ست وبس ، وازیں بوضوح پیوست کہ دریں وادی نیز ارث وغیر او ہمہ متساوی الاقدام است تا آنکہ اگر سلطان نے قضاۃ خود را بعد یک سال مثلا خاص از سماع دعوائے ارث منع فرماید بالخصوص دعوائے ارث نامسموع باشد وغیر او مسموع والعکس بالعکس این است دریں مقام تحقیق انیق وباللہ التوفیق ، سخن دریں باب در کتاب القضاء والدعاوی از فتاوائے خود مدقدے دراز رانده ام این جا بر تلخیص عبارات چند قناعت ورزیدن بہ از راہِ اسہاب واطناب گزیدن در فتاوائے علامہ ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ غزی تمرتاشی مصنف تنویر الابصار است

سئل عن رجل له بيت في دار يسكنه مدة تزيد على ثلث سنوات وله جار بجانبه والرجل المذكور يتصرف في البيت المذبور هدما وعمارة مع اطلاع جاره على تصرفه في المدة المذكورة فهل اذا ادعى البيت او بعضه بعد ما ذكر تسمع دعواه ام لا اجاب لا تسمع دعواه

یکون ذالك من باب الاقرار بالتلقی من مورثہ۔

اجاب لغم دعوی تلقی الملك من المورث اقرار بالملك لہ ودعوی الانتقال منہ الیہ فیحتاج المدعی علیہ ببینۃ وصار المدعی علیہ مدعیا وکل مدعٍ یحتاج الی بینۃ ینوّر بہا دعواہ ولا ینفعہ وضع الید المدۃ المذکورۃ مع الاقرار المذکور ولیس من باب ترك الدعوی بل من باب المؤاخذۃ بالاقرار ومن اقر بشیئ لغیرہ اخذ باقرارہ ولو کان فی یدہ احقابا کثیرۃ لا تعد وھذا مالا یتوقف فیہ [1]

درعقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ است

رجل تصرف زمانا فی ارض ورجل آخر رائی الارض والتصرف ولم یدّعِ ومات علی ذالك لم تسمع بعد ذالك دعوی ولدہ [2]

ولم یقیدوہ بمدۃ کما تری وما یمنع صحۃ دعوی المورث یمنع صحۃ دعوی الوارث، ثم البیع غیر قید بل مجرد الاطلاع علی التصرف مانع من الدعوی ولیس مبنیا علی المنع السلطانی بل حکم اجتہادی، نص علیہ الفقہاء کما رأیت۔

ہم دران است:

سئل فی رجل یرید الدعوی علی زید بمیراث امہ المتوفاۃ من اکثر من خمس عشرۃ سنۃ وزید یجحدہ

---

[1] فتاوی خیریہ، ج ۲، ص ۱۲۷-۱۲۶ - [2] العقود الدریۃ ج ۲، ص ۳

علیٰ ما علیہ الفتویٰ[1]

در فتاویٰ علامہ خیر الدین رملی استاد صاحب درِ مختار است

سئل فی رجل اشتریٰ من اخر ستۃ اذرع من ارض بید البائع و بنی بھا بناء و تصرف فیہ ثم بعدہ ادعیٰ رجل علیٰ البانی المذکور ان لہ ثلاثۃ قراریط ونصف قیراط فی المبیع المذکور ارثا عن امہ ویرید ھدمہ والحال ان امہ تنظرہ یتصرف بالبناء والانتفاع المذکورین ھل لہ ذالک امر لا۔

اجاب لا تسمع دعواہ لان علماء نا نصوا فی متونھم وشروحھم وفتاواھم ان تصرف المشتری فی المبیع مع اطلاع الخصم ولو کان اجنبیا بنحو البناء والغرس والزرع یمنعہ من سماع الدعوی قال صاحب المنظومۃ اتفق اساتیذنا علیٰ انہ لا تسمع دعواہ ویجعل سکوتہ رضا للبیع قطعا للتزویر والاطماع والحیل والتلبیس وجعل الحضور وترک المنازعۃ اقرارا بانہ ملک البائع[2]

سئل فیما اذا ادعیٰ زید علیٰ عمرو محدودا بانہ ملکہ ورثہ عن والدہ فاجابہ المدعیٰ علیہ انی اشتریتہ من والدک وعمک المورثین لک بکذا وانی ذو ید علیہ من مدۃ تزید علیٰ اربعین سنۃ وانت مقیم معی فی بلدۃ ساکت من غیر عذر یمنعک عن الدعویٰ ھل

---

[1] العقود الدریۃ ج ۲، ص ۴ [2] فتاویٰ خیریہ بر حاشیہ العقود الدریۃ ج ۲، ص ۱۳۸-۲۷

ومضت هذا المدة من بلوغه رشيدا ولم يدّع بذالك و
لا منعه مانع شرعي وهما مقيمان في بلدة واحدة فهل
تكون دعواه بذالك غير مسموعة للمنع السلطاني۔

الجواب نعم والقضاء يجوز تخصيصه وتقييده بالزمان والمكان
واستثناء بعض الخصومات كما في الخلاصة وعلى هذا الوامر
السلطان بعدم سماع الدعوى لا تسمع ويجب عليه سماعها اشباه
وفيها الحق لا يسقط بتقادم الزمان كذا في لعان الجوهرة و
قال الحموي ان السلاطين يأمرون قضاتهم ان لا يسمعوا دعوى
بعد مضي خمس عشرة سنة سوى الوقف والارث ومقتضى ما
افتى به الخير الرملي ان الارث غير مستثنى وقد كتب احمد آفندي
المهنداري على ثلاثة اسئلة بانه تسمع دعوى الارث ولا يمنعها
طول المدة وكتب على سوال آخر انها لا تسمع وقد صرح العلائي
قبيل باب التحكيم باستثناء الوقف والارث ونقل المنلا على عن فتاوى علي
آفندي مفتي الروم عدم سماعها ونقل مثله السايحاني عن فتاوى عبدالله
آفندي فقد اضطرب كلامهم كما ترى في مسئلة الارث والظاهر
انه تارةً ورد امر مع استثنائها وتارةً بدونه [1]

درر المختار است

ليس لهذا (يعني منع الدعوى للسكوت مع الاطلاع على التصرفات)
مدة محدودة واما عدم سماع الدعوى بعد مضي خمس عشرة سنة
اذا تركت بلا عذر فذالك في غير هذه الصورة

والله سبحنه وتعالى اعلم

---

[1] العقود الدرية، ملحضاج ۲، ص ۵

درود شریف

صلی اللہ علی النبی الامی

وآلہ صلی اللہ علیہ وسلم

صلوٰۃ وسلاما علیک

یا رسول اللہ

آسمانِ تحقیق و تدقیق کے نیّرِ اعظم اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ العزیز

سے

استفتاء

قدوۃ الفضلا، سراج الفقہاء بیان فرماتے ہیں کہ دورِ طالب علمی میں یہ بات ہمارے ذہن میں بٹھا دی گئی تھی کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی (قدس سرہ العزیز) کی کتابیں پڑھنا ناجائز ہے۔ ان کی تصنیفات کو علم و تحقیق سے کوئی علاقہ نہیں ہوتا۔ وہ تو صرف چند مروّجہ رسومات و بدعات کے مجوّز ہیں۔ ان کی علمیت کا مدار یہی امور ہیں اور ان کی تصنیفات صرف میلاد، قیامِ میلاد، فاتحہ، عرس، گیارہویں، "نذر و نیاز اور نداء غیر اللہ وغیرہ" امورِ بدعیہ سے متعلق ہیں چنانچہ عام طلباء کی طرح میں بھی ان کے نام تک سے متنفر تھا۔ میں نے بعض لوگوں سے ان کے تبحر علمی کی باتیں سن رکھی تھیں جنہیں ہمارے حلقے میں مریدین و معتقدین کی عقیدت اور غلو سے تعبیر کیا جاتا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظرِ عنایت شاملِ حال تھی کہ ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس نے حضرت سراج الفقہاء ایسی شخصیت کے ذہن میں عظیم انقلاب پیدا کر دیا اس کی تفصیل خود ان کی زبانی سنیئے۔

حسنِ اتفاق سے مجھے رسالہ میراث کی تصنیف کے دوران ایک مسئلے (ذوی الارحام کی صنفِ رابع کے حکم) میں الجھن پیدا ہوئی۔ میں نے اس کے حل کے لئے دیوبند، سہارن پور، دہلی اور دیگر علمی مراکز میں خطوط لکھے کہیں سے بھی تسلی بخش جواب نہ آیا سب نے "سراجی" پر ہی اکتفا کیا۔ میں نے یہ سوچ کر کہ اس میں حرج ہی کیا ہے

وہ سوال مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے پاس بھی بھیج دیا۔ ایک ہفتے کے اندر مولانا کی طرف سے جواب آگیا۔ انہوں نے مسئلے کو اس طرح حل کیا کہ تمام کتب کے اختلافات اور شکوک و شبہات رفع ہو گئے۔

اب آپ حضرت سراج الفقہاء کا استفتاء اور فقیہ اجل اعلیٰ حضرت امام اہل سنت حضرت مولانا احمد رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہٗ کا وہ انقلاب آفریں نادر و غیر مطبوع فتویٰ ملاحظہ فرمائیں جس نے وقت کے ایک بہت بڑے محقق کو نہ صرف ذہنی اطمینان بخشا بلکہ ایک نئی راہ پر ڈال دیا۔

اعلیٰ حضرت کے دستِ اقدس کا لکھا ہوا فتویٰ دستیاب نہیں ہو سکا بلکہ سنا ہے کہ گم ہو چکا ہے یہ تو جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی علم دوستی کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے چند سال قبل جناب صاحبزادہ سید محمد فاروق القادری ایم۔ اے سجادہ نشین شاہ آباد شریف گڑھی اختیار خاں کے ذریعے اس فتوے کی نقل حاصل کر لی تھی ورنہ شاید یہ مبارک فتویٰ کبھی بھی منظرِ عام پر نہ آسکتا۔ چونکہ یہ فتویٰ نقل سے نقل شدہ ہے اس لئے اس کی تصحیح میں بڑی جانفشانی سے کام لینا پڑا۔ حواشی راقم الحروف کے لکھے ہوئے ہیں جن میں عربی عبارات کے ترجمہ کے علاوہ بعض کتابوں کے صفحات کی نشاندہی بھی کر دی گئی ہے۔ نیز استفتاء کے اختصار کے پیش نظر اس کا مطلب تفصیلاً بیان کر دیا ہے۔

سوال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بخدمت مجدد (مائۃ حاضرہ مولانا) احمد رضا خاں صاحب۔ بعد ترجیح بقرب الدرجہ اولاً قوتِ قرابت ثم الولدیت عند اتحاد الجہت سے ترجیح۔ مگر رد المحتار میں عند اختلاف الجہت بھی ولدیت سے ترجیح منقول (مذکور) اور قوتِ قرابت سے بھی ترجیح عقود میں بحث فرمائی صنف رابع میں قاعدہ مفتیٰ بہ تحریر فرمادیں تاکہ رسالہ میں لکھوں بینوا توجروا۔

تفصیل سوال ازمرتب

ذوی الفروض وہ رشتے دار ہیں جن کے حصے شریعت میں مقرر ہیں ان کی تعداد بارہ ہے

عصبات وہ رشتے دار ہیں جو ذوی الفروض سے باقی ماندہ مال لیں اور تنہا ہوں تو سب مال لے لیں۔

ذوی الارحام وہ قریبی ہیں جو نہ تو ذوی الفروض ہوں اور نہ عصبات۔

ذوی الارحام کی چار قسمیں ہیں چوتھی قسم وہ افراد ہیں جو میت کے دادا، دادی، نانا، نانی کی طرف منسوب ہوں مثلاً چچا، پھوپھی، ماموں خالہ اور جو افراد ان کے واسطے سے میت کی طرف منسوب ہوں۔ سوال مذکور اسی چوتھی قسم کی اولاد میں تقسیم میراث سے متعلق ہے۔

سراجی میں ہے (۱) جو شخص میت کے زیادہ قریب ہو خواہ اس کا تعلق باپ کی طرف سے ہو یا ماں کی طرف سے زیادہ حقدار ہے۔

(۲) کئی شخص قرب میں مساوی ہوں اور جہت قرابت بھی متحد ہو یعنی سب باپ کی طرف سے متعلق ہوں یا سب ماں کی طرف سے تو قوی قرابت والا مستحق ہوگا مثلاً میت کی تین پھوپھیوں کی اولاد تھی۔ ایک پھوپھی اس کے والد کی سگی بہن تھی دوسری پدری تیسری مادری اگرچہ یہ تمام اولاد درجے میں برابر ہے اور جہت بھی ایک ہے لیکن پہلی پھوپھی کی اولاد کی قرابت قوی ہے لئے صرف وہی وارث ہوگی۔

(۳) کئی شخص قرب درجہ اور قوت میں برابر ہوں جہت بھی ایک ہو تو عصبہ کی اولاد مستحق ہے مثلاً سگے چچا کی بیٹی اور سگی پھوپھی کا بیٹا باقی ہو تو کل مال چچا کی بیٹی کو ملے گا کہ وہ عصبہ کی اولاد ہے

(۴) چچا اور پھوپھی میں سے کسی ایک کا تعلق قوی ہو تو اس کی اولاد ظاہر الروایۃ میں وارث ہوگی۔ مثلاً پھوپھی باپ کی سگی بہن ہے اور چچا صرف باپ کی طرف سے بھائی ہے تو وراثت پھوپھی کی اولاد کو ملے گی۔ سوال مذکور کے الفاظ "بعد ترجیح بقرب الدرجہ اولاً قوت قرابت ثم الولدیۃ عند اتحاد الجہۃ سے ترجیح" اسی تفصیل کی طرف مشیر ہیں۔

(۵) متعدد اشخاص قرب درجہ میں مساوی ہوں لیکن ان کی جہت قرابت مختلف ہو یعنی بعض

باپ کی طرف سے رشتہ دار ہوں مثلاً چچا کی اولاد، اور بعض ماں کی طرف سے مثلاً ماموں یا خالہ کی اولاد تو "سراجی" کے مطابق "فلا اعتبار لقوۃ القرابۃ ولا لولد العصبۃ فی ظاھر الروایۃ" (ص ۴۷ مطبع سعیدی کراچی)، یعنی اب نہ تو قوتِ قرابت کا اعتبار ہے اور نہ ولد عصبہ کا۔

لیکن علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ قول مذکور نقل کرکے فرماتے ہیں۔

لکن ذکر بعدہ فی معراج الدرایۃ عن شمس الائمۃ ان ظاھر الروایۃ ان ولد العصبۃ اولیٰ، اتحد الحیز او اختلف فبنت العم لابوین اولی من بنت الخال وانہ وافقہ التمرتاشی ثم قال وفی ضوء السراج الاخذ بروایۃ شمس الائمۃ اولیٰ اھ (ردالمحتار جلد ۵ ص ۵۲۶ مطبع کبریٰ مصر ۱۳۲۶ھ)

معراج الدرایۃ میں شمس الائمہ سے مروی ہے کہ ظاہر الروایہ میں ولد عصبہ اولیٰ ہے، جہت متحد ہو یا مختلف لہذا سگے چچا کی لڑکی ماموں کی لڑکی سے اولیٰ ہے۔ تمرتاشی نے اس کی موافقت کی۔ ضوء السراج میں ہے کہ شمس الائمہ کی روایت کو اختیار کرنا اولیٰ ہے۔"

اس کے علاوہ علامہ شامی نے اور بہت سی کتابوں کے حوالے ذکر کئے۔

سوال مذکور میں "مگر ردالمحتار میں عند اختلاف الجہۃ بھی ولدیت عصبہ سے ترجیح منصوص کے الفاظ سے تفصیل سابق کی طرف اشارہ ہے۔

علامہ شامی نے "العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ" میں فرمایا۔

فمن قال یرجح ولد العصبۃ علی ولد ذی الرحم یلزمہ ان یرجح بقوۃ القرابۃ ایضا لانہا اقویٰ فتامل وراجع (ج ۲ ص ۳۴۱)

جس نے ولد عصبہ کو ولد ذی رحم پر ترجیح دی اسے لازم ہے کہ قوت قرابت سے بھی ترجیح دے۔" سوال مذکور کے الفاظ "اور قوتِ قرابت سے بھی ترجیح عقود میں بحث فرمائی" کا اسی مقام کی طرف اشارہ ہے۔

الجواب

یہاں دو مسئلے ہیں اوّل[1] بحالت اختلاف جہت بھی ولد وارث کو ترجیح ہے یا نہیں۔ دوم[2] اگر ہے تو قوتِ قرابت بھی مرجح ہے یا نہیں۔

مسئلہ اولیٰ کو علامہ خیر الدین رملی نے فتاویٰ خیریہ لنفع البریۃ پھر علامہ شامی نے عقود الدریۃ میں صاف فرمادیا ہے کہ دونوں[3] کو ظاہر الروایۃ فرمایا گیا اور ترجیح متون کی التزامی ہے اور جانب[4] اثبات صریح تصحیحات تو معتمد یہی ہے کہ ولد وارث مرجح ہے اگرچہ جہت مختلف ہو۔ عقود الدریۃ رسائل فاضل ہداہ اللہ تعالیٰ کے پیش نظر ہے اور فقیر نے خیریہ سے مقابلہ کیا۔ اس کی عبارات تمامہا عقود میں منقول ہیں۔ ان دونوں عبارتوں سے مستفاد کہ قول اوّل یعنی عدم ترجیح کو کواکب منیہ نے ظاہر الروایۃ کہا اور سراجی و صاحب ہدایہ و متن کنز و ملتقی و اکثر شروح کنز و ہدایہ نے اس پر مشی کی اور اسی بنا پر کہ وضع متون نقل مذہب کے لئے ہے، علامہ [illegible] عالم متاخر نے اس کو اختیار کیا۔

اقول اسی پر فاضل شجاع بن نور اللہ القروی مدرس اورنہ نے اپنی کتاب حل المشکلات تصنیف ۹۶۴ھ میں مشی کی۔ حیث قال بنت[5] عم لابوین وبنت خال لام یقسم اثلاثا لان قوۃ القرابۃ وولد العصبۃ غیر معتبرۃ بین فریق الاب، وفریق الام اھ بالتخیص بعد کے بہت متاخر رسائل مثل منتخب الفرائض مولوی نجات حسین بن عبد الواحد الصدیقی البریلوی تصنیف ۱۲۴۱ھ و زبدۃ الفرائض مولوی عبد الباسط بن رستم علی بن علی صفر فتوحی اس طرف ہی جاتا چاہیں کہ ان کا ماخذ سراجیہ ہے۔ اوّل کی عبارت یہ ہے وان[6] کان واسطۃ قرابتہم مختلفۃ فثلثا المال لقرابۃ الاب وثلثہ لقرابۃ الام ولا اعتبار لقوۃ القرابۃ وولدیۃ العصبۃ

---

[1] ترجیح اور عدم ترجیح کے قول کو کتب مختلفہ میں ۱۲ [2] یعنی صریحی نہیں ۱۲ [3] کہ ولد عصبہ کو ترجیح ہے ۱۲

[4] کے چچا کی بیٹی کو ⅔ اور (والدہ کے مادر زاد بھائی) ماموں کی بیٹی کو ⅓ دیا جائے گا کیونکہ والد اور والدہ کے

[5] یقین میں قرابت کی قوت اور ولد عصبہ ہونا معتبر نہیں۔ ۱۲ [6] اگر قرابت کا واسطہ مختلف ہو تو دو تہائی باپ کی قرابت کو

دو ثلث تہائی ماں کی قرابت کو دیا جائے گا۔ قوت قرابت اور ولد عصبہ کا اعتبار نہیں ۱۲

عبارت دوم کی یہ ہے "و اگر ہم بدرجۂ قرابت برابر باشند و درجیز قرابت مختلف کہ بعض از جانب اَب بوند و بعض از جانب اُمّ دریں ہنگام در ظاہرالروایت مرقوتِ قرابت و ولد عصبہ را اعتبار نہ باشد۔ پس ولد عم اعیانی از ولد خال یا خالہ علاتی اخیافی اولیٰ نبود کہ قوتِ قرابت ولد عم را اعتبار نیست و ہم چنیں بنت عم اعیانی از بنت خال یا خالہ اعیانی اولیٰ نباشد کہ ولد عصبہ را اعتبار نیست برقیاس آنکہ عمہ اعیانی از خالہ علاتی یا اخیافی اولیٰ نبود باوجود آنکہ عمہ اعیانی ذوقرابتین است۔ و ولد وارث از جہتین اَب و اُمّ زیرا کہ پدرِ او جدّ صحیح است، ام او جدہ صحیحہ است۔"

اسے ظاہرالروایۃ کہنا اور یہ دلیل کہ ان دونوں کتابوں میں ہے بعینہٖ سراجی سے ماخوذ ہے اور علامہ سید شریف نے اسے مقرر رکھا مدقق علائی نے درمختار میں اس کو مختار رکھا یوں کہ قول متن "واذا استووا فی درجۃ قدم ولد الوارث" میں واتحدت الجھۃ کی قید بڑھادی اور آگے فرمایا فلو اختلف فلقرابۃ الاب الثلثان ولقرابۃ الام الثلث" علامہ سید محمد مصری طحطاوی نے اسے مقرر رکھا بلکہ تصریح کی کہ ان اختلف حیز القرابۃ فلا عبرۃ للا قوی و لا لولد العصبۃ" علامہ شیخی زادہ نے مجمع الانہر میں نص ملتقیٰ پر تقریر کی۔

یہ عبارات ہیں جو اس قول پر نظر حاضر میں ہیں اور یہاں چند ضروری تنبیہات ہیں۔ فاقول ظاہر عبارت خیریہ سے متوہم ہوتا ہے کہ یہ قول ہدایہ و کنز میں ہے اور ان دونوں کے اکثر شراح نے اس پر مشی کی پھر ملتقی و سراجیہ اس پر ہیں۔ فلہذا علامہ حامد آفندی نے اسے مسئلہ متون قرار دیا مگر اولاً وہ ہدایہ میں نہیں بلکہ امام برہان الدین صاحب ہدایہ نے اپنی کتاب "فرائض عثمانی" میں کہ رسالہ فرائض شیخ عثمانی کا تکملہ ہے ذکر فرمایا۔ ہدایہ میں سرے سے کتاب الفرائض ہے ہی نہیں حالانکہ اس کے ماخذ ثانی مختصر القدوری میں

لہ اگر درجۂ قرابت میں برابر ہوں اور قرابت کی جہت میں مختلف یعنی بعض باپ کی طرف سے ہوں اور بعض ماں کی طرف سے اس وقت ظاہرالروایت میں قوتِ قرابت اور ولد عصبہ کا اعتبار نہ ہوگا (اسکے بعد چند مثالوں کا ذکر ہے) ۱۲

فرائض ہے۔ رد المحتار میں ہے۔ ہذا ظاہر الروایۃ کما فی السراجیہ والفرائض العثمانیۃ لصاحب الہدایۃ۔
ثانیاً[1] شروح ہدایہ سے کفایہ امام کرمانی و عنایہ امام اکمل و بنایہ امام عینی و غایۃ البیان اتقانی و نتائج الافکار قاضی زادہ تکملہ فتح القدیر پیش نظر ہے۔ ان میں مثل ہدایہ کے فرائض نہیں اور معراج الدرایہ میں قول دوم کی تصحیح نقل کی غالباً یہ زیادت کتاب الفرائض میں ہو جس طرح نہایہ نے اسے تکمیلا اضافہ کیا اور محقق بابرتی نے اس کی تلخیص میں پھر خلاف فرما دیا تو ظاہراً غالب[1] شروح ہدایہ کا سبق قلم ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔
ثالثاً[2] کنز کی عبارت یہ ہے" و ذو[2] رحم و ھو قریب لیس بذی سھم و عصبۃ (الی ان قال) و ترتیبھم کترتیب العصبات والترجیح بقرب الدرجۃ ثم بکون الاصل وارثا و عند اختلاف جھۃ القرابۃ فلقرابۃ الاب ضعف قرابۃ الام" حضرت شامی نے اس میں محل استدلال جملہ اخیرہ کا اطلاق اور اس بنا پر اسے متون و شروح کی طرف نسبت کیا جانا بتایا ہے۔ رد المحتار میں بعد عبارت مذکورہ آنفا ہے "و ھو ظاھر اطلاق المتون والشروح حیث قالوا وعند اختلاف جھۃ القرابۃ فلقرابۃ الاب ضعف قرابۃ الام فلم یقیدوا بین ولد العصبۃ وغیرہ"
اقول یہ جملہ ان دو قاعدہ[3] ترجیح کے بعد مذکور ہے وہ قواعد عامہ تھے کہ جمیع اصناف و احوال ذوی الارحام کو شامل تھے تو یہ قطعاً ان سے مقید ہے۔ وگرنہ اختلاف کے وقت قرب درجہ سے بھی ترجیح نہ ہو اور وہ بالاجماع باطل ہے۔ وعلی التنزل وہ دونوں قاعدے بھی مطلق ہیں وہاں بھی اختلاف و اتحاد جہت سے فرق نہ فرمایا تو یہ اطلاق اس اطلاق کے معارض ہے۔

---

[1] یہ عبارت اس طرح ہونی چاہیئے۔ غالب شروح ہدایہ کہنا خیر یہ کا سبق قلم ہے ۱۲
[2] ذو رحم وہ قریبی ہے جو صاحب فرض اور عصبہ نہ ہو ان کی ترتیب عصبات کی طرح ہے اور ترجیح قرب درجہ سے ہوگی۔ پھر اصل کے وارث ہونے سے۔ اور جہت قرابت مختلف ہوئی تو باپ کی قرابت کو ماں کی قرابت کی نسبت دوگنا حصہ ملے گا ۱۲۔
[3] یعنی پہلے قرب درجہ سے ترجیح ہوگی پھر اصل کے وارث ہونے سے ۱۲۔

رابعاً مختصر امام اجل قدوری میں صاف فرمایا ذوی الارحام کے اقسام بیان کرکے حکم عام ارشاد فرماتے ہیں "واذا استوی وارثان . . . . . فی درجۃ واحدۃ فاولھم من ادلی بوارث واقربھم اولی من ابعدھم"

خامساً اسی طرح متن تنویر الابصار میں تمام اقسام ذکر کرکے فرمایا واذا استووا فی درجۃ قدم ولد الوارث واذا اختلفت الفروع والاصول اعتبر محمد فی ذالک الاصول و قسم علیھم اثلاثا الخ اس نے بھی صاف کردیا کہ بعد استواء درجہ تقدم ولدِ وارث کا حکم عام ہے۔ اس کے بعد مسئلہ اختلافِ جہت نہ لائے جس سے اشتباہ ہو بلکہ مسئلہ اختلاف اصول ذکورۃ وانوثۃ یہی نکتہ ہے کہ ان تینوں متون اعنی قدوری، کنز و تنویر نے یہاں قوتِ قرابت کی ترجیح ذکر نہ فرمائی ومنظور افادہ قواعد عامہ ہے اور وہ عام نہ تھی بلکہ اتحاد (جہت) سے خاص ھکذا ینبغی ان یفھم کلام الکرام۔

اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ "واذا استووا فی درجۃ" کے بعد درمختار کا "واتحدت الجہۃ" زائد کرنا قول اول کی طرف ان کا میل خلافِ متن ہے۔

سادساً ہدایہ۔ وقایہ، نقایہ واصلاح عزر ان متنوں میں مسئلہ کا ذکر ہی نہیں قدوری کنز، تنویر کا حال معلوم ہوا۔ سراجیہ ابتدائی کتاب ہے مگر اصطلاح فقہ پر متن نہیں۔ اس کا مرتبہ فتوی غایت درجہ شروح کا ہے جیسے منیہ و اشباہ بھی ابتدائی کتب ہیں اور مرتبہ متون میں ہرگز نہیں بلکہ فتاوی ہیں کما بینّاہ فی فتاوانا متون وہ مختصرات ہیں کہ ائمہ نے

لہ جب دو قریبی ایک درجے میں برابر ہوں تو وارث کے ذریعے (میت کی طرف) منسوب ہونے والا اولی ہوگا اور (ذوی الارحام) میں سے اقرب کو ابعد پر ترجیح ہوگی۔

نوٹ:۔ قدوری کے عام نسخوں بلکہ مطبوعہ مجتبائی میں اس جگہ عبارت غلط ہے۔ ان میں عبارت اس طرح ہے واذا استوی ولدالاب فی درجۃ الخ صحیح عبارت وہی ہے جو نقل کی گئی جوہرہ نیرہ شرح قدوری مطبوعہ مجتبائی میں اسی طرح ہے ۱۲

حفظ مذہب کے لئے لکھے جیسے مختصرات طحاوی و کرخی و قدوری۔ سراجیہ میں بکثرت روایاتِ نادرہ بلکہ محض اقوال مشائخ کے ذکر تک تنزل ہے لاجرم علامہ سید شریف نے نقل فرمایا کہ سراجیہ درحقیقت فرائض امام احمد علاء الملت والدین سمرقندی کی شرح ہے۔ "ان[1] المصنف لما خرج من فرغانة الی بخارا وجد فیها الفرائض المنسوبة الی القاضی الامام علاء الدین السمرقندی فی ورقتین فاستحسنها واخذ فی تصنیف هذا الکتاب شرحا لها" تو نہ رہی مگر ایک ملتقی اس میں بے شک یہ قول مصرح ہے حیث قال "یرجحون بقرب الدرجة ثم بقوة القرابة ثم بکون الاصل وارثا عند اتحاد الجهة" تو اسے مسلّم متون ٹھہرا کر قول ثانی پر ترجیح دینی صحیح نہیں بلکہ اکثر متون قول ثانی پر ہی ہیں۔

سابعاً۔ شروح ہدایہ کا حال معلوم ہوا۔ اور شروح کنز نے مسئلہ تین مقرر رکھا اور اس کا مفاد ظاہر ہو لیا وللہ الحمد۔

قول دوم کو مبسوط امام شمس الائمہ سرخسی، فتاوی امام قمر الدین تماشی و مجمع الفتاوی و فتاوی خلاصہ میں ظاہر الروایۃ و مذہب کہا۔ مواریث الملتقط للامام نصر و تاتارخانیہ میں اسی پر مشی کی۔ عنوان السراج میں ہے علیہ الفتوی، جامع المضمرات میں ہے ہو الصحیح، معراج الدرایۃ میں ہے ہو الاولی بالاخذ، علامہ محقق خیر الدین رملی نے اس پر فتوی دیا۔

اقول بلکہ مبسوط سرخسی جلد ثلاثین ۳۰ ص میں ہے:۔

"اجمعنا انه لو کان احدهما ولد عصبة او صاحب فرض کان اولی من الآخر انتهی (ای یقدم علی من لیس بعصبة ولا صاحب فرض)

اور پھر مبسوط امام سرخسی اُس کافی امام حاکم شہید کی شرح حامل المتن ہے جس میں انہوں نے

---

[1] مصنف جب فرغانہ سے بخارا گئے وہاں دو ورق میں "فرائض" قاضی علاء الدین سمرقندی پائے مصنف نے انہیں پسند کیا اور ان کی شرح کے طور پر سراجی لکھنا شروع کی (باب ذوی الارحام شریفیہ شرح سراجی ص ۱۰۹ مطبع یوسفی لکھنؤ ۱۹۰۵ء)

تمام کتب ظاہر الروایۃ کو جمع فرمایا ہے۔ اس میں انہوں نے صرف ظاہر الروایۃ ہی نہ فرمایا بلکہ قول اول کے روایت نادرہ ہونے کی بھی تصریح فرمائی اسی طرح تکملۃ البحر للعلامۃ الطوری میں ہے ہندیہ میں اسے مقرر رکھا۔ مبسوط کی عبارت یہ ہے۔

"ان[1] کان احدھما ولد عصبۃ او ولد صاحب فرض فعند اتحاد الجھۃ یقدم ولد العصبۃ وصاحب الفرض وعند اختلاف الجھۃ لا یقع الترجیح بھذا بل تعتبر المساواۃ فی الاتصال بالمیت وبیانہ فیما اذا ترک ابنۃ عم لاب وام اولاب وابنۃ عمۃ فالمال کلہ لابنۃ العم لانھا ولد عصبۃ ولو ترک ابنۃ عم وابنۃ خال او خالۃ فلابنۃ العم الثلثان ولابنۃ الخال او الخالۃ الثلث لان الجھۃ مختلفۃ ھھنا ولا یترجح احدھما بکونہ ولد عصبۃ وھذا فی روایۃ ابی عمران عن ابی یوسف فاما فی ظاھر المذھب ولد العصبۃ اولیٰ سواء اختلفت الجھۃ او اتحدت لان ولد العصبۃ

---

[1] اگر دونوں میں سے ایک عصبہ یا صاحب فرض کی اولاد ہے تو اتحاد جہت کی صورت میں عصبہ اور صاحب فرض کی اولاد کو تقدیم حاصل ہوگی۔ اختلاف جہت کی صورت میں اس سے ترجیح نہیں ہوگی بلکہ میت سے تعلق میں مساوی معتبر ہوں گے مثلاً ایک شخص سگے چچا یا علاتی چچا (باپ کے پدری بھائی) کی بیٹی اور پھوپھی کی بیٹی چھوڑ کر فوت ہوا تمام مال چچا کی بیٹی کو ملے گا کیونکہ وہ عصبہ کی بیٹی ہے اور اگر ایک چچا کی بیٹی اور ایک ماموں یا خالہ کی بیٹی چھوڑ گیا تو چچا کی بیٹی کو دو تہائی اور ماموں یا خالہ کی بیٹی کو ایک تہائی ملے گا کیونکہ یہاں جہت مختلف ہے۔ دونوں میں سے ایک کو ولد عصبہ ہونے کی وجہ سے ترجیح نہ ہوگی۔ یہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے ابو عمران کی روایت ہے لیکن ظاہر مذہب میں ولد عصبہ اولیٰ ہے خواہ جہت مختلف ہو یا متحد کیونکہ ولد عصبہ کا میت کے وارث سے زیادہ قریبی تعلق ہے گویا میت سے اقرب ہے۔

سوال اس بنا پر چاہیئے کہ پھوپھی خالہ کی نسبت تمام مال کی زیادہ حق دار ہو کیونکہ پھوپھی دادا ایسے عصبہ کی اولاد ہے جب کہ خالہ نہ عصبہ کی اولاد ہے نہ صاحب فرض کی کیونکہ وہ نانا کی اولاد ہے۔ جواب اس طرح نہیں کیونکہ خالہ نانی کی اولاد ہے اور وہ ذات فرض ہے۔ اس اعتبار سے پھوپھی اور خالہ میں میت کے وارث سے متصل ہونے میں مساوات پائی جائے گی مگر خالہ کا جس وارث کے ذریعے تعلق ہے وہ ماں (نانی) ہے لہٰذا ماں کے حصے کی مستحق ہوگی۔ اور پھوپھی کا تعلق اس وارث کے ذریعے ہے جو باپ (دادا) لہٰذا باپ کے حصے کی مستحق ہوگی۔ اسی لئے ان میں مال کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے (دو حصے پھوپھی کے لئے ایک حصہ خالہ کے لئے) ۱۲

اقرب اتصالا بوارث الميت فكانه اقرب اتصالا بالميت[1]

فان قيل فعلىٰ هذا ينبغي ان العمة تكون احق بجميع المال من الخالة لان العمة ولد العصبة وهو اب الاب والخالة ليست ولد عصبة ولا ولد صاحب فرض لانها ولد اب الام قلنا لاكذالك فان الخالة ولد ام الام وهي صاحبة فرض فمن هذه الجهة يتحقق المساواة بينهما في الاتصال بوارث الميت الا ان اتصال الخالة بوارث هو أمّ فتستحق فريضة الام واتصال العمة بوارث هو اب فتستحق نصيب الاب فلهذا كان المال بينهما اثلاثا۔

بعینہٖ یہی مضمون تمام تکملۂ بحر میں ہے اور ہندیہ میں لفظ اتصالا بالمیت تک۔ اس میں امام حلبیل نے دلیل قول اول کے جواب کا بھی افادہ فرمایا:

اقول[2]۔ ولا يقدح مع تحقق المساواة ان العمة اذا كانت لاب وام كانت ولد الوارث

---

[1] یہاں تک عبارت فتاویٰ عالمگیری جلد رابع صـ۵۸۲ المعروف بہ ہندیہ میں منقول ہے ۱۲

[2] اقول مساوات کے ہوتے ہوئے یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ سگی پھوپھی دو جہتوں سے وارث (دادا اور دادی) کی اولاد ہے یہ بات خالہ میں نہیں ہوسکتی (کیونکہ وہ صرف ایک وارث نانی کی اولاد ہے) اس لئے کہ یہ قوت قرابت ہے جس کا اختلاف جہت کی صورت میں اعتبار نہیں ہوتا جیسا کہ تمام ارباب فرائض نے تصریح کی۔ میں نے تکملۂ بحر کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ

اقول یہ جواب اس وقت نہیں بن سکتا جب خالہ ماں کے والد کی طرف سے بہن ہو کیونکہ وہ قطعاً وارث کی اولاد نہیں (لہٰذا پھوپھی کے مقابل یہ خالہ محروم ہونی چاہیئے) سوال:۔ یہ خالہ اس خالہ سے اقویٰ ہے جو ماں کی ماں کی طرف سے بہن ہو۔ چنانچہ اگر کوئی شخص ایسی دو خالائیں چھوڑ کر فوت ہو جائے تو تمام مال پہلی کو ملے گا اور دوسری محروم ہوگی۔ پھوپھی دوسری خالہ کو محروم نہیں کر سکتی۔ کیونکہ اس کے ساتھ ولد وارث ہونے میں شریک ہے۔ پھوپھی اضعف کو محروم نہیں کر سکتی تو ضروری ہے کہ اقویٰ (پہلی خالہ) کو بھی محروم نہ کرے۔ جواب:۔ پہلی خالہ کی قوت، قوت قرابت ہے کیونکہ باپ کے ذریعے سے منسوب ہونا ماں کے توسط سے منسوب ہونے سے زیادہ قوی ہے لیکن اختلاف جہت کے وقت اس قوت کا اعتبار نہیں۔ لہٰذا پھوپھی کے ولد وارث ہونے والی قوت معارض کے بغیر باقی رہے گی (تو) لازم آئے گا کہ پھوپھی خالہ کو محروم کر دے حالانکہ یہ خلاف معلوم ہوا کہ جہات مختلفہ میں ولدیت وارث بھی معتبر نہیں۔

میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں کہ فقہائے کرام کے نزدیک خالہ کو پھوپھی کی موجودگی میں اس لئے تہائی حصہ

(باقی حاشیہ آگے)

من کلا الجہتین و یستحیل ھذا فی الخالۃ لان ھذا قوۃ القرابۃ ولا نظر الیھا عند اختلاف الجہۃ کما صرحوا بہ قاطبۃً نعم رأیتنی کتبت علی ھامش تکملۃ البحر مانصہ -

---

بقیہ حاشیہ

ملتا ہے کہ پھوپھی کو چچا کے اور خالہ کو ماں کے قائم مقام رکھا جاتا ہے۔ شمس الائمہ نے فرمایا۔ پھوپھی چچا اور خالہ ماں کے مرتبہ میں ہے اور اہل تنزیل نے کہا چچا بمنزلہ باپ کے اور خالہ بمنزلہ ماں کے ہے۔ یہ بھی کہا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اکثریت کے نزدیک اجتماع کے وقت پھوپھی کے لئے دو تہائی اور خالہ کے لئے ایک تہائی۔ اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ پھوپھی کو باپ کی طرح قرار دیا جائے۔ اس اعتبار سے کہ اس کی قرابت باپ سے ہے اور خالہ کو ماں کی طرح کہ اس کی قرابت ماں سے ہے۔ ہمارے علما کے قول (کہ خالہ ماں کی طرح ہے) کی وجہ یہ ہے کہ قاعدے کی رو سے عورت کو جب کسی مرد کے قائم مقام کیا جائے تو اپنے ہم مرتبہ مرد کے قائم مقام ہوگی۔ پھوپھی کا ہم مرتبہ مرد چچا وارث ہے لہذا اسے چچا کے قائم مقام کیا جائے گا اور خالہ کو اس کے ہم مرتبہ مرد ماموں کے قائم مقام کیا جائے تو پھوپھی کے ساتھ وارث نہیں بن سکے گی اس ضرورت کے پیش نظر ہم نے اسے ماں کے قائم مقام کیا۔ لہذا اس طریقے سے پھوپھی کو دو تہائی اور خالہ کو ایک تہائی مال ملیگا۔ جیسا کہ ماں اور چچا وارث ہوتے (مختصراً) جب معاملہ اس طرح ہے تو پھوپھی کو ولدیت عصبہ کی وجہ سے ترجیح نہیں ہوگی کیونکہ اسے ولدیت کی بجائے عصبہ کی جگہ قرار دیا گیا ہے۔ پھوپھی خالہ کو محروم نہیں کر سکے گی۔ کیونکہ خالہ کو ماں کی بجائے رکھا گیا ہے اور ماں چچا سے محروم نہیں ہوتی۔ ان حالات میں تمام برابر ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اقامۃ کی وجہ سے قرب درجہ یا قوی سبب بھی محروم نہیں کر سکتا۔ مثلاً ایک شخص ایک لڑکی اور چند پوتیاں چھوڑ گیا۔ (نصف مال لڑکی کو) اور چھٹا حصہ پوتیوں کو ملے گا تاکہ دو ثلث پورے ہو جائیں۔ کیونکہ انہیں لڑکی کے قائم مقام رکھا گیا ہے۔ لڑکی کے درجے سے دوری انہیں محروم نہیں کرے گی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص دو لڑکیاں ایک پوتی ایک پوتے کی لڑکی اور ایک پوتے کا لڑکا چھوڑ گیا۔ پوتی اور پوتے کی لڑکی کو مرد کے درجے میں رکھا جائے گا تاکہ اس کے ذریعے عصبہ بن جائیں۔ یہ وجہ ہے کہ خالہ (ماں کی سوتیلی بہن باپ کی طرف سے) پھوپھی کے ساتھ وارث بنتی ہے۔

ثم اقول۔ قائم مقام قرار دینا صرف ذوات تک محدود ہوگا۔ اولاد کا یہ حکم نہیں ہے چنانچہ خالہ کی اولاد۔ ماں کی اولاد کی طرح نہیں ہوگی۔ دیکھئے خالہ کی اولاد میں مرد اور عورتیں برابر نہیں بلکہ مرد کو عورت کی نسبت دوگنا حصہ ملے گا (جب کہ اولاد ام میں مذکر و مؤنث برابر ہوتے ہیں) اس کی مثال ولدیت عصبہ ہے کہ اولاد سے اولاد کی اولاد کی طرف منتقل نہ ہوگی جیسے کہ رد المحتار وغیرہ میں سکب الانہر وغیرہ سے ہے۔ بابریں چچا کی لڑکی کا لڑکا پھوپھی، ماموں یا خالہ کے بیٹے کی بیٹی سے مقدم نہ ہوگا۔ ۱۲

اقول لايتمشى اذا كانت الخالة اخت الام لاب فانها لاحظ لها من ولدية وارث اصلا . لايقال انها اقوى من الخالة لام فاذا مات عن خالة لاب واخرى لام احرزت الاولى جميع المال ولا شيء للاخرى والخالة لام لايحجبها العمة لاستوائها معها فى ولدية الوارث فاذا لم تحجب الاضعف وجب ان لا تحجب الاقوى لانى اقول انما قوتها قوة قرابتها فان الانتماء بالاب اقوى من الانتماء بالام وهذه قوة لانظر اليها عند اختلاف الجهة فتبقى ولدية العمة للوارث قوة بلا معارض فيلزم ان تحجب الخالة لاب وهو باطل فعلم ان ولدية الوارث ايضا لاتلاحظ فى الجهات المختلفة

اقول وبالله التوفيق توريث الخالة مع العمة اثلاثاً عند الفقهاء رحمهم الله تعالى لاقامة العمة مقام العم والخالة مكان الام قال شمس الائمة اعلم بان العمة بمنزلة العم والخالة بمنزلة الام وقال اهل التنزيل العم بمنزلة الاب والخالة بمنزلة الام ووجه قولهم ان الصحابة رضى الله تعالى عنهم اجتمعوا على ان للعمة الثلثين وللخالة الثلث اذا اجتمعتا ولا وجه لذالك الا بان يجعل العمة كالاب باعتبار ان قرابتها قرابة الاب والخالة كالام باعتبار ان قرابتها قرابة الام وجه قول علمائنا ان الاصل ان الانثى متى اقيمت مقام ذكر فانها تقوم مقام ذكر فى درجتها . والذكر الذى فى درجتها هو العم وهو الوارث فتجعل العمة بمنزلة العم . والخالة لو اقيمت مقام ذكر فى درجتها وهو الخال لم ترث مع العمة فلهذه الضرورة اقمناها مقام الام فالعمة ترث الثلثين والخالة الثلث بهذا الطريق بمنزلة مالو ترك اماً وعماً (مختصراً) فاذا كان الامر على هذا سقط تقدم العمة لولدية العصبة فانها قد اقيمت مقام العصبة فضلاً على الولدية ولم تحجب الخالة لاقامتها مقام الام والام لاتحجب بالعم وفى

هذه الحالات كلهن سواء۔ قد رأينا ان مثل الاقامة تسقم الحجب بما هو اقوى اسبابه وهو قرب درجة الا ترى ان من خلف بنتاً وبنات ابن فلهن السدس تكملة للثلثين لاقامتهن مقام البنت لايحجبهن بعد درجتهن عن درجة البنت وكذالك اذا مات عن بنتين وبنت ابن ابن وابن ابن ابن لانهما قيمتا فى درجة الذكر كى تتعصب به فهذا هو السرُّ فى وراثة الخالة لاب مع العمات والله تعالى اعلم ثم اقول لايذهبن عنك ان هذه الاقامة تقتصر على الذوات ولا تتعدى الى الاولاد فاولاد الخالة لايجعلون كاولاد الام الا ترى ان ذكورهم لايساوون اناثهم بل للذكر مثل حظ الانثيين وهذا كولدية العصبة لاتسرى من الولد الى ولد الولد كما فى رد المحتار وغيره عن سكب الانهر وغيره فابن بنت العم لايقدم على بنت ابن العمة او الخال او الخالة فاحفظ۔

بالجملہ قول دوم پر ہی اکثر متون ہیں اور اسی کو اکثر نے ظاہر روایت اور مذہب فرمایا اور تصریحات صریحہ صرف اس کے لئے ہیں خصوصاً اکثر تصحیحات علیہ الفتویٰ تو اسی پر اعتماد واجب ہے اور اس سے عدول ساقط وذاہب۔ درمختار و تصحیح علامہ قاسم میں ہے" اما نحن فعلينا اتباع ما رجحوه وصححوه كما لو افتونا فى حياتهم والله تعالى اعلم۔

مسئلہ ثانیہ: جب کہ یہاں اختلاف جہت کے وقت مذہب صحیح ومفتیٰ بہ میں ولدیت وارث معتبر ہے۔ آیا قوتِ قرابت معتبر ہوگی یا نہیں؟ علامہ شامی نے نفی کو مفاد اطلاق روایت بنایا اور خود اثبات کا استظہار کیا کہ قوتِ قرابت ولدیتِ وارث سے اقویٰ ہے۔ جب یہ معتبر ہے تو اُس کا اعتبار بدرجۂ اولیٰ ہے۔ عبارتِ عقود سائل فاضل کے پیش نظر ہے۔ فقیر نے اپنے نسخۂ عقود پر یہاں یہ حاشیہ لکھا تھا۔

قوله يلزم ان يج بقوة القرابة ايضا وانها اقوى اقول قد اجمعوا فى الروايات الظاهرة ان لانظر بقوة القرابة عند اختلاف الحيز فلا تقدم العمة الشقيقة

على الخالة لام ولا الخالة العينية على العمة لام ۔ وكون قوة القرابة اقوى من ولدية الوارث فى حيزٍ واحد لايوجب اعتبارها عند اختلاف الحيز وهى ساقطة الاعتبار فيه فجريان الاضعف فى محل لكونه محل جريانه لا يستلزم جريان الاقوى فيه مع انعدام المحلية له ۔

والحق ان لامعنى لقوة القرابة فى حيز الاكون قريب ذا جهتين كالعينى اوذا جهة اقوى كالعلاتى مع الاخيافى وظهر ان اجتماع الجهتين فى حيز لايلغى الحيز الآخر واذا كان نفس احد الحيزين اعنى الابوى اقوى من الآخر اعنى الام ثم لم تورث توته الغاء الحيز الآخر فكيف تورث قوة جهته الغاء الآخر وتعليل قوة القرابة انما هو فى الحيز الواحد لا تقديم ذى حيز على ذى حيز آخر لقوة قرابة فى حيزه والا يقدم الحيز الابوى مطلقا على الامى مطلقا ۔ وايضا لو نظر الى قوة القرابة لعاد نقضا على المقصود فان الاقوى غير معتبر عند اختلاف الحيز باجماع الروايات الظاهرة فكيف تعتبرون فيه الاضعف ويؤول الامر الى الغاء كلا الترجيحين وهو خلاف ماقدتم انه صحيح مفتى به وانما الجواب ماقدمت ان الاقوى لم يعتبر لعدم المحل فلا يلغى الآخر مع حصول المحلية وذالك لان ولدية العصبة تستقى من العصوبة تقضى على غيرها مطلقا وان كان من غير حيزها كالعم يحجب الخال فكذا ولدية العصبة وبهذا تنحل الشبهتان معا اعنى وجوب اعتبار الاقوى كما ذهب اليه العلامة الشامى ووجوب اسقاط الاضعف بسقوط الاقوى كما قررنا فى الالزام والله تعالى اعلم

اس حاشیہ نے بحمدہ تعالیٰ کشف شبہ کردیا ۔ اس وقت مبسوط شمس الائمہ سرخسی فقیر کے پاس نہ تھی اب اس کے مطالعہ نے واضح کردیا کہ وہ صرف اطلاق روایت سرخسی نہیں بلکہ خاص نص صریح ہے ۔ بحث علامہ شامی مصادم نص واقع ہوئی اور بحث فقیر بحمداللہ تقدیر نص کے موافق آئی وللہ الحمد ۔

مبسوط کا نص ملخص یہ ہے :۔

فی ظاہر المذہب[1] ولد العصبۃ اولیٰ سواء اختلفت الجہۃ او اتحدت (الی ان قال) فان کان قوم من ھؤلاء من قبل الام من بنات الاخوال او الخالات وقوم من قبل الاب من بنات الاعمام او العمات لام فالمال مقسوم بین الفریقین اثلاثا سواء کان من کل جانب ذو قرابتین اومن احد الجانبین ذو قرابۃ واحدۃ۔ ثم ما اصاب کل فریق فیما بینھم یترجح جہۃ ذی القرابتین علیٰ ذی قرابۃ واحدۃ"[2]

یہ نص صریح ہے وللہ الحمد کہ اختلاف جہت کے وقت ولدیت وارث سے ترجیح ہے اور قوت قرابت سے نہیں تو اولاد صنف رابع کا قانون صحیح ومعتمد یہ ہے۔

یقدم[3] الاقرب مطلقا ثم ان اختلف الجنس فولد الوارث وان اتفق فالاقوی قرابۃً ثم ولد الوارث وبعد ھذہ الشرائط ان استحق الفریقان فلفریق الاب الثلثان ولفریق الام الثلث۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ اعلم

کتبہ محمد بن المصطفیٰ النبی الامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

عبدہ المذنب احمد رضا القادری عفی عنہ

---

[1] ظاہر مذہب میں ولد عصبہ اولیٰ ہے خواہ جہت مختلف ہو یا متحد، اگر ماں کی جانب سے ایک جماعت ہو مثلاً ماموں یا خالاؤں کی لڑکیاں، اور ایک جماعت باپ کی طرف سے مثلاً پھوپھیوں یا سوتیلے چچا (باپ کے مادری بھائی) کی لڑکیاں تو مال فریقین میں تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا ایک حصہ پہلے فریق کو اور دو حصے دوسرے فریق کو دیئے جائیں گے، خواہ ہر جانب دو دو قرابتیں ہوں یا ایک جانب صرف ایک قرابت ہو۔ پھر ہر فریق کا حصہ ان میں تقسیم کیا جائے گا، ذو قرابتین کو ایک قرابت والے پر ترجیح ہوگی۔ ۱۲

[2] ملاحظہ ہو فتاویٰ عالمگیری جلد رابع ص ۵۸۲ مبسوط جلد ۳۰ ص ۲۱

[3] اقرب بہ ہر حال مقدم ہے پھر اگر جہت مختلف ہو تو ولد وارث کو اور اگر متحد ہو تو اقویٰ پھر ولد وارث کو ترجیح ہوگی۔ ان شرائط کے بعد اگر دونوں فریق مستحق ہوں تو باپ کے فریق کو دو تہائی اور ماں کے فریق کو ایک تہائی ملے گا۔ ۱۲